تالیف: حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

اس کتاب کا ایک ایک فقرہ علوم لدنی کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور سالکانِ طریق کے لیے علم و معرفت کے نئے دروازے کھولتا ہے (حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم)

ناشر: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

تالیف: حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

اس کتاب کا ایک ایک فقرہ علوم لدنی کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور سالکان طریق کے لیے علم و معرفت کے نئے دروازے کھولتا ہے (حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم)

طبع اول .... جولائی ۱۹۹۸ء

باہتمام .... فہیم اشرف نور عفا اللہ عنہ

کمپوزنگ........................ ادارۃ القرآن کراچی

طباعت .... ادارۃ القرآن کراچی

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

۷ ۴۳۳/ڈی گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی ۵

فون: ۷۲۱۶۴۸۸ فیکس / فون: ۷۲۲۳۲۸۸

E.Mail:quran@biruni.erum.com.pk

☆☆☆ دیگر ملنے کے پتے ☆☆☆

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی

☆ صدیقی ٹرسٹ المنظر لسبیلہ کراچی

☆ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ یونیورسٹی بک ایجنسی قصہ خوانی پشاور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی

☆ مکتبہ دارالعلوم کراچی

☆ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ جنگی محلہ قصہ خوانی پشاور

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

فہرست مضامین

☆☆☆......❋❋❋✡❋❋❋......☆☆☆

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی
نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمدللّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم،
وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وعلی من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین.
أما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے کی تشریح وتوضیح اور اصلاح وارشاد کا جو عظیم کام لیا، اسکی نظیر صدیوں میں ملنی مشکل ہے۔ خاص طور پر تصوّف واحسان جو جہالت اور خود غرضی کے ہاتھوں ایک بھول بھلیاں میں تبدیل ہو چکا تھا، اور اس کے مقدس نام پر بدعات وخرافات کا ایک سیلاب دین کا حصہ سمجھا جانے لگا تھا، اسکو جس طرح صاف کر کے قرآن وسنت کی صراطِ مستقیم کے ایک دلکش حصے کی حیثیت میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے پیش فرمایا، وہ حضرتؒ ہی کا حصہ تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف، مقالات، مواعظ اور ملفوظات

کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے کہ آج ہم جیسے ضعیف الہمۃ لوگوں کیلئے اُس پورے ذخیرے کا پڑھ لینا ہی مشکل ہے۔ چونکہ حضرتؒ کی خصوصی تحقیقات اور الہامی مضامین کے شہ پارے اس پورے ذخیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں، اسلئے ہم جیسے کمزور اپنی بے ہمتی کی وجہ سے بسااوقات اُن سے مستفید نہیں ہوپاتے۔

احقر کے شیخ و مربی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے علوم وفیوض کو عام کرنے کا ایک جذبۂ بیتاب عطا فرمایا تھا۔ اُن کی خواہش تھی کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خاص خاص افادات جو مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں یکجا جمع کر کے مختلف گلدستے تیار کیے جائیں، اور حضرتؒ نے یہ کام بہ نفس نفیس شروع فرمادیا تھا۔ سب سے پہلے حضرتؒ نے مآثر حکیم الامتؒ کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی جو حضرت حکیم الامتؒ کے خصوصی مزاج ومذاق کی دلنشین تشریح ہے، اور حضرتؒ کے بہت سے اُن افادات پر مشتمل ہے جو ہر عام وخاص شخص کیلئے فائدہ مند ہیں۔ پھر حضرتؒ نے "بصائر حکیم الامتؒ" تحریر فرمائی جس میں تصوّف کے بنیادی مسائل کو فنّی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کیلئے حضرت حکیم الامتؒ کی مختلف کتابوں سے اُن کے افادات اس طرح جمع فرمائے کہ وہ تصوف کی ایک مرتب فنّی کتاب بن گئی۔ اسی دوران حضرت حکیم الامتؒ کی تالیفات سے حضرتؒ نے جو خوشہ چینی فرمائی تھی۔ اسمیں بہت سے مضامین ایسے تھے جو "بصائر حکیم الامتؒ" میں نہ آسکے تھے، مگر اعلیٰ قدر وقیمت کے حامل تھے، انہیں حضرتؒ نے "معارف حکیم الامتؒ" کے نام سے مرتب کر کے شائع فرمایا۔

اس کے بعد بھی حضرتؒ کے انتخاب کا سلسلہ جاری رہا، اور آپ نے ایک اور کتاب کا مواد بھی جمع فرمالیا جس کیلئے حضرتؒ کے ذہن میں "جواہر حکیم الامتؒ" یا "نوادر حکیم الامتؒ" کا عنوان تھا۔ لیکن ابھی یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی تھی کہ حضرتؒ کا وقتِ موعود آپہنچا ؎

فصلِ گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

حضرت والاؒ کی وفات کے بعد اُن کے گرامی قدر صاحبزادے جناب احسن عباس صاحب مدظلہم العالی نے حضرتؒ کے مسودات سے یہ مجموعہ تلاش کر کے اسکی اشاعت کا ارادہ فرمایا۔ اور اب یہ مجموعہ "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ" سے شائع ہو رہا ہے۔

احقر نے بفضلہٖ تعالیٰ موجودہ مجموعے کے ایک بڑے حصے کا مطالعہ کر کے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور احقر کا احساس یہ ہے کہ اس کا ایک ایک فقرہ علوم لدنیؔ کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور سالکانِ طریق کیلئے علم و معرفت کے نئے دروازے کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے کما حقہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے، اور اسکے مرتّب و ناشر کو دنیا و آخرت میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۱/ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

والسلام

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف

طریقت اور اسکے لوازمات

(۱) تفسیر شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت

سوال: ایک مختصر مضمون میں شریعت اور طریقت اور معرفت اور حقیقت کی حقیقت اور ان کا باہمی تعلق لکھ کر مرحمت فرمائیے؟

جواب: شریعت نام ہے مجموعہ احکام تکلیفیہ کا اس میں اعمال ظاہری و باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس کا مرادف سمجھتے تھے جیسے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے۔ معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے جزء متعلق باعمال ظاہرہ کا نام فقہ ہوگیا اور دوسرے جزء متعلق باعمال باطنہ کا نام تصوف ہوگیا ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں پھر ان اعمال باطن کی درستی سے قلب میں جو جلاء وصفاء پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان واعراض بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ وحقائق الٰہیہ صفاتیہ وفعلیہ بالخصوص معاملات فیما بین اللہ وبین العبد منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں اور اس صاحب انکشاف کو محقق وعارف کہتے ہیں پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ اور عوام میں جو یہ شائع ہوگیا ہے کہ شریعت صرف جزء متعلق باحکام ظاہرہ کو کہنے لگے ہیں یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشا بھی صحیح نہیں کہ وہ اعتقاد تنافی ہے ظاہر اور باطن میں۔ واللہ اعلم (التکشف ۷ا جمادی الاولی ۲۲ ۱۳ھ)

(۲) مراتب فرض و مستحب تصفیہ نفس وقلب

ریا وعجب ودیگر اخلاق ذمیمہ مثل شہوت وغضب وغیرہ کے دفع کرنے کے دو درجے ہیں۔

اول یہ کہ اپنے اختیار سے ان کا قصد نہ کرے اور جو پیش آوے اس کو برا سمجھے اور اس کے مقتضا کے موافق عمل نہ کرے گو خطرات ووساوس کا ہجوم رہے۔ یہ مرتبہ اختیاری اور فرض ہے اور خطرات کا ہجوم غیر اختیاری ہے کچھ مضر نہیں۔

دوسرا درجہ یہ کہ ان اخلاق کی بیخ وبنیاد ہی کا استیصال ہوجاوے یعنی نفس میں ان کا تقاضا اور میلان بھی نہ رہے اور یہ ایسے ہی مبغوض ہوجاویں جیسے گندگی طبعاً مبغوض ومستقذر ہوتی ہے اسکی تحصیل مستحب ہے اور موجب کمال اور عادۃً موقوف ہے مجاہدہ وریاضت اور خلوت طویلہ پر اور یہی دو مرتبے ہیں حضور قلب کے نماز میں اول یہ کہ نماز یا کسی نیک عمل میں بطور مقصودیت کے کوئی غیر اللہ قلب میں حاضر نہ ہو یعنی عبادت سے مقصود کسی مخلوق کی رضا یا اس سے مال وجاہ کا حاصل کرنا نہ ہو یہ حضور قلب فرض ہے اور بدوں اس کے نماز قبول نہیں ہوتی اور عذاب ریا کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ کہ نماز میں بجز خدائے تعالٰی کے قلب کا التفات بطور تخیل بھی کسی جانب نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ باختیار خود کسی غیر کا خیال قلب میں نہ لاوے اس کو خشوع کہتے ہیں اور آیات اور احادیث سے یہ بھی موکد معلوم ہوتا ہے گو درجہ فرض میں نہ ہو دوسرا مرتبہ یہ کہ بلا قصد بھی کسی کا خیال نہ آوے یہ بدوں فناء نفس وقلب کے نصیب نہیں ہوتا اور اس کی تحصیل مستحب ہے۔

تصوف کا اصل مقصد

یاد رکھو تصوف سے اصل مقصود یہ ہے کہ اعمال شرعیہ یعنی طاعات واجبہ ومستحبہ کا بجالانا اور معاصی سے اجتناب کرنا۔ یہ بندہ کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔ پس یہ وہ چیز ہے جس سے قرب ورضاء حق حاصل ہوتی ہے۔ کیفیات وکشفیات کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اگر ایک شخص ادائے طاعات واجتناب عن المعاصی میں پختہ ہو۔ وہ کامل صوفی ہے۔ گو کیفیات کچھ بھی اس پر وارد نہ ہوتی ہوں۔ اور جس پر کیفیات بکثرت وارد ہوتی ہوں کشف وتصرف میں بھی ملکہ رکھتا ہو مگر اوامر ونواہی میں پختگی حاصل نہ ہو وہ صوفی نہیں۔ خوب سمجھ لو۔ بس یہ معیار ہے جس میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ (تقلیل الطعام ص ۱۲)

تصوف لوٹنے پوٹنے کا نام نہیں ہے بلکہ مقامات کا نام تصوف ہے اور مقامات یہی ملکات ہیں۔ اخلاص ورضاء وتواضع وغیرہ ان کو حاصل کرو۔ اور ان کی اضداد ریاو کبر واعتراض وغیرہ سے نکل جاؤ۔ بس صوفی ہو گئے۔

(ارضاء الحق حصہ دوم ص ۶۸)

(۳) تصوف رسومات کا نام نہیں

فرمایا کہ تصوف کا لوگوں نے ناس کر دیا۔ رسوم کا نام تصوف رہ گیا۔ عوام تو بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کا یہی تصوف ہے۔ اور خواص میں جو غیر محقق ہیں وہ اوراد پڑھ لینے، رات کو جاگنے اور حرارت واردات ذوق وشوق ہونے کو بس تصوف سمجھنے لگتے ہیں اور یہ گمان عام ہو گیا تھا کہ حدیثوں میں تصوف نہیں ہے بس صوفیوں ہی کے کلام میں ہے۔ تصوف تو اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی حدیث اس سے خالی نہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں ہے ہی

نہیں۔

دہلی میں حقیقۃ الطریقت میرا رسالہ ایک غیر مقلد نے زمانہ تالیف میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر کہا کہ یہ کس شخص کا ہے۔ ایک دوست نے میرا نام بتایا پھر ان غیر مقلد نے کہا کہ ان کو لکھ دینا کہ اس میں اختصار نہ کریں خوب لکھیں۔ اس رسالہ میں ایک مقام پر بیعت طریقت کا حدیث سے اثبات ہے۔ ایک صاحب جن کو عدم تقلید کی طرف میلان تھا کہنے لگے ہم تو بیعت کو بدعت سمجھتے تھے میں نے کہا کہ دیکھ لو جس حدیث سے اثبات ہے وہ میری گھڑی ہوئی تو ہے نہیں۔ دلالت کو دیکھ لو۔ پھر وہ مجھ سے بیعت ہوئے اور غیر مقلدی چھوڑ دی۔ (الرفیق وجہ دوم)

(۴) طریق سلوک عوام اور خواص دونوں کیلئے ہے اور اس کا بیان کہ مسلمان دنیا دار نہیں ہوتا

یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ عوام یہ نہ سمجھیں کہ طریق سلوک خواص کے لئے ہے ہم دنیا داروں کے لئے نہیں۔ سو بات یہ ہے کہ سرے سے یہ تقسیم ہی صحیح نہیں کہ دنیا داروں کے لئے اور احکام اور دینداروں کیلئے اور احکام کیونکہ مسلمان ہونیکی حیثیت سے سب برابر ہیں اور احکام شرعی سب کے ساتھ یکساں متعلق ہیں۔ بلکہ حقیقت میں مسلمان دنیا دار ہوتا ہی نہیں کیونکہ دنیا داری حقیقت میں یہ ہے کہ حرام وحلال میں کچھ امتیاز نہ رہے جس طرح سے بنے مال حاصل کرنے کو مقصود سمجھے۔ اگر کہیں دونوں غرضیں دین و دنیا کی جمع ہوجائیں تو دنیوی غرض کو مقدم رکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ دین سے ہم کو کوئی غرض نہیں نکہ شریعت کے احکام اس قدر دشوار ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو دنیا کی زندگی مشکل ہے سو ظاہر ہے کہ اسلام کے ساتھ ان خیالات کی گنجائش کہاں ہے نکہ اس سے تو باری تعالیٰ کی تکذیب کی نوبت پہنچتی ہے۔ ﴿یرید اللہ بکم

الیسر ولا یرید بکم العسر﴾ و ﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا.﴾

حکایت :

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی اپنے مرید کے گھر گئے وہاں ان کے گھر روشندان دیکھا۔ پوچھا یہ کیوں رکھا ہے اس نے جواب دیا۔ روشنی کے واسطے انہوں نے فرمایا کہ روشنی تو بدون نیت روشنی کے بھی آتی اگر اس کے رکھنے میں یہ نیت کرلیتا کہ اس میں سے اذان کی آواز آیا کرے گی تو تجھے اس کا ثواب بھی ملتا رہتا اور روشنی تو خود آہی جاتی۔

پس ایسی دنیا منافی دین نہیں پس ایسا دنیا دار بھی دیندار ہی ہے دنیا دار کوئی مسلمان نہیں۔ تو سب مسلمان دیندار ہی ہوئے اور دو قسمیں بن کر کوئی فرق نہیں ہوا۔ یہ دیندار دنیا دار کا فرق بوجہ جہل بالا حکام کے ہم نے تراش لیا ہے اور جب فرق نہ ہوا تو کیا وجہ ہے کہ دستور العمل الگ الگ رکھا جائے یہ بات جدا رہی کہ حالت عذر و ضرورت میں کسی کے لئے کچھ تخفیف کر دی جائے سو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دستور العمل ہر ایک کے واسطے الگ الگ تجویز کیا جائے دستور العمل تو ایک ہی رہے گا۔ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ (الرفیق حصہ دوم)

(۵) طریقت میں طلب مقصود ہے

آدمی کو چاہئے کہ طلب میں مشغول رہے اور کام کئے جائے اور حصول مقصود میں تعجیل نہ کرے۔ ہاں پہلے یہ تحقیق کرلے کہ میں رستہ پر بھی چل رہا ہوں یا نہیں۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ رستہ پر چل رہا ہوں۔ تو بس پھر اطمینان کے ساتھ چلتا رہے کبھی نہ کبھی مقصود تک پہنچ ہی جائے گا۔ اور اگر راستہ ہی غلط ہے تو جتنا چلے گا اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ اس لئے اس کی تحقیق ضروری ہے اور

راستہ پر پڑ جانے کے بعد پھر یہ کوشش نہ کرے کہ وصول جلدی ہی ہوجاوے۔ اگر دنیا میں بھی وصول نہ ہوا تو انشاءاللہ مرنے کے بعد تکمیل ہوجاوے گی۔ ہاں یہ شرط ہے کہ برابر طلب میں لگا رہے دوام طلب کو ہاتھ سے نہ دے اور اگر کبھی کبھی معمول ناغہ ہوجاتا ہو تو اس سے بھی نہ گھبرائے بلکہ ناغہ کے بعد پھر کام میں لگ جائے۔ یہ بھی ایک قسم کا دوام ہے کہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ کبھی کبھی ناغہ ہوجانے کو دوام کے خلاف نہ سمجھو اور اس سے گھبرا کر طلب سے ہمت نہ ہارو۔ دیکھو جو شخص دس مرتبہ روزانہ وظیفہ پڑھتا ہے تو اس وقت سے دوسرے وقت تک کتنے گھنٹے ذکر سے خالی گزر جاتے ہیں۔ یہ بھی تو ناغہ ہے۔ مگر پھر بھی اس کو دوام کہا جاتا ہے۔ تو اسی طرح ایک صورت دوام کی یہ بھی ہے کہ درمیان میں بجائے گھنٹوں کے ایام کا ناغہ ہوجائے مولانا فرماتے ہیں۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی   کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

بس بالکل نہ ہونے سے ناغہ کے ساتھ کام میں لگا رہنا بھی مفید ہے۔ پس جس طرح ہوسکے طلب کو نہ چھوڑو انشاءاللہ کسی وقت کامیاب ہوجاؤ گے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش   تادم آخر دم فارغ مباش
تادم آخر دمے آخر بود   کہ عنایت با تو صاحب سر بود

وصول جب ہوتا ہے دفعۃً ہوتا ہے۔ بعض دفعہ ایک بار خدا کا نام دل سے اس طرح نکلتا ہے۔ جو سالک کو واصل کر دیتا ہے۔ اس لئے جتنا ہوسکے اس کو بیکار نہ سمجھو۔ چاہے قاعدہ سے ہو یا بے قاعدہ۔ ناغہ سے ہو یا بلاناغہ کرتے رہو۔ اس طرح ایک دن عنایت ہوجاویگی۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ وفریاد ہم

(۶) طلب کا درجہ عالیہ

طلب کا درجہ عالیہ یہ ہے کہ محض حق کی طلب ہو' جنت وغیرہ کی طلب نہ ہو اور مومنین کی اس خاص قسم کا طالبین جنت سے علیحدہ ہونا دوسری نصوص سے بھی موید ہے۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿فاصحٰب المیمنة ما اصحٰب المیمنة و اصحٰب المشئمة ما اصحٰب المشئمة﴾ ظاہر ہے کہ یہاں اصحاب المیمنة سے مراد اصحاب جنت ہیں اور اصحاب المشئمة سے مراد کافر ہیں۔ مگر اصحاب المیمنة سے مراد کل اصحاب جنت نہیں بلکہ صرف عام مومنین مراد ہیں اور خواص کا ذکر آگے ہے۔ ﴿و السابقون السابقون اولئك المقربون﴾ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تیسری قسم ہے۔ جو اصحاب الجنتہ سے بھی ممتاز ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ کہیں جنت سے الگ رہیں گے نہیں سکونت کے اعتبار سے یہ بھی اصحاب جنت ہیں۔ مگر طلب کے اعتبار سے ان سے الگ ہیں۔ پس اصحاب الجنتہ کی دو قسمیں ہیں ایک من یطلب الجنة۔ دوسرے من طلب الحق و ان سکن الجنة اور سابقون کے تکرار سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دونوں مذکورہ طبقوں سے سابق ہیں۔ پس اصحب جنت سے بھی سابق ہوئے۔ یہی معنی ہیں اہل جنت سے ان کے ممتاز ہونے کے۔

آگے حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اولئك المقربون کے بعد في جنّٰت النعیم بھی فرما دیا۔ تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ شاید مقرب ہونے سے مراد یہ ہے

کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھیں گے تو بتلا دیا۔ کہ وہ بھی جنت ہی میں ہوں گے مگر دوسروں سے مقرب ہونگے۔

بہرحال اہل جنت میں دو قسمیں ہونا نصوص سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے۔اور اہل طریق کے کلام میں تو اسکی بہت تصریح ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ طلب کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو۔نہ جنت کا اور نہ دوزخ سے بچنے کا۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنت کو طلب نہ کرے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بالذات طلب نہ کرے۔(فناء النفوس فی رضاء القدوس ص ۱۷)

(۷) بیعت کی حقیقت

ایک صاحب نے پوچھا کہ بیعت کی حقیقت کیا ہے اور اس کی ضرورت کہاں تک ہے؟ فرمایا کہ بیعت کی حقیقت ہے دو جانب سے معاہدہ ہونا۔پیر کی طرف سے یہ کہ میں تمہاری نگرانی کروں گا۔اور مرید کی طرف سے یہ کہ میں اتباع کروں گا۔اب لوگوں نے اس کو اپنی حد سے ایسا بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہوگیا ہے عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جاوے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے کہ ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے۔مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔گویا بزرگی کوئی برق (بجلی) ہے۔جب تک پیر کے ہاتھ میں ہاتھ نہ ملایا جائے۔وہ برق نہیں دوڑتی۔

اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔کیونکہ ایک زمانہ میں بزرگوں نے اس طریقہ سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔اس لئے کہ اس زمانہ میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔تو اگر کسی دوسرے کو بیعت کرتے ہوئے دیکھا جاتا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی

طالب سلطنت ہے۔ تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھا دیوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا۔ صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے۔ اور تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ تو بتلایئے اگر بدون اس خاص طریقہ کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ نسب ہی منقطع ہوا جاتا ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو ناکافی خیال کیا جاتا ہے۔ جو چیز موقوف علیہ نہ ہو۔ اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے یا نہیں۔ (وحدۃ الحب ص ۹۸)

ارشاد فرمایا کہ جب تک اس قدر اشتیاق غالب نہ ہو۔ جیسے پیاسے کو پانی کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اس وقت تک مرید نہ ہونا چاہئے۔ (مقالات حکمت حصہ اول ملفوظ نمبر ۴۳)

فرمایا کہ اصل چیز تو تعلیم ہے۔ بیعت ضروری نہیں۔ البتہ اس سے تعلق زیادہ ہو جاتا ہے اور شیخ اس کی اصلاح کو اپنے ذمے واجب سمجھ کر اس کی جانب زیادہ متوجہ رہتا ہے۔ (مقالات حکمت حصہ سوم ملفوظ نمبر ۴ ملخصا)

(۸) بیعت کی بقاء و زوال

عن جابر بن عبد اللہ أن أعرابيا بايع رسول الله ﷺ فأصاب الأعرابي وعل بالمدينة فأتي النبي ﷺ فقال: يامحمد قلني بيعتي فأبي رسول الله ﷺ الي قوله عليه السلام ان المدينة كالكير تنفي خبثها وتنصع طيبها متفق عليه.

دوسری روایت کعب بن مالک کی ہے کہ غزوۂ تبوک کے تخلف کے

سبب آپ ان سے منقبض ہوگئے۔ مگر ان کا اعتقاد درست رہا۔ پس پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ بیعت واپس نہ کرے۔ لیکن مرید کا اعتقاد جاتا رہے' تو بیعت ٹوٹ جاتی ہے اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ ناراض ہوجائے لیکن مرید کا اعتقاد باقی اور قائم رہے۔ تو بیعت باقی رہتی ہے۔ اور ویسے بھی ظاہر ہے کہ مدار اعظم بیعت کا ارادت پر ہے۔ سو یہ صفت مرید کی ہے نہ کہ شیخ کی پس اس کے بقاء و زوال کا دوران ارادت کے عدم و وجود پر ہے۔

(ایضاً ص ۲۴)(اشرف العلوم جمادی الثانی ۵۴ ۱۳ھ)

(۹) صحبت شیخ

جس کو صحبت شیخ کی ضرورت ہو۔ اس کیلئے نفلوں وغیرہ سے صحبت میں حاضر رہنا افضل ہے۔ خواہ کچھ پڑھتا رہے۔ یا خاموش بیٹھا رہے۔ ہاں جب وہ کچھ بیان کرے تو متوجہ ہو کر سنے۔ (مقالات حکمت حصہ ہفتم ملفوظ ۹۲' اشرف المسائل ص ۲۱)

(۱۰) تصور شیخ

مجذوب اگر اپنا اثر ڈالے تو تصور شیخ کر لیا جاوے' اثر دفع ہو جائے گا۔ اور مجذوب پر کیا موقوف ہے کوئی ہو۔ جب شیخ کی صورت کا تصور کیا جاوے گا تو کسی کامل کا بھی اثر نہ ہو گا۔ اور جس کا شیخ نہ ہو وہ کسی اور صاحب نسبت کا تصور جس سے اس کو عقیدت ہو کر لے وہ بھی کافی ہے۔ (ایضاً ملفوظ نمبر ۹۹)

(۱۱) فیض پیر

اگر پیر سے محبت کامل ہو تو ظاہری دوری مانع فیض نہیں۔ حدیث المرء

مع من احب اس کی موید ہے۔یہی محبت بیعت روحانی ہے۔مگر یہ اس شخص کیلئے جس کو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو۔ صرف تقویت نسبت میں مشغول ہو۔ ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہیں چلتا۔البتہ ثواب وبرکت ضرور ہے۔اس مضمون کو بعض صوفیہ ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ باطن پیر ہرجگہ ہے۔جن کے معنی سمجھنے میں عوام الناس غلطی کرتے ہیں کہ پیر نعوذباللہ ہرجگہ حاضرناظر ہے۔سو یہ یقیناً غلط اور خلاف واقع ہے۔گو بطور خرق عادت وکرامت کے گاہے ایسا بھی واقع ہوا ہے .... مگر یہ امر نہ مستمر ہےاور نہ ضروری ہے۔کہ جب پیر کی شکل نظر آوے تو وہ سچ مچ پیر ہی ہو۔ بعض اوقات کوئی فرشتہ وغیرہ اس شکل میں نظر آجاتا ہے۔بلکہ معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ باطن اصطلاح میں اس اسم الٰہی کو کہتے ہیں جس کا کسی مخلوق میں ظہور ہو۔پس شیخ کامل میں اسم ہادی کا فیض ظاہر ہے۔سو باطن شیخ سے مراد اسم ہادی ہوا۔چونکہ وہ حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ مکان وزمان سے منزہ ہے اور اس کانور وفیض عام اور محیط ہے۔اس اعتبار سے کہہ دیا جاتا ہے کہ باطن شیخ ہرجگہ ہے۔جس کا حاصل یہ ہوا کہ صفت ہادی کا فیض کسی زمان ومکان کیساتھ خاص نہیں اور چونکہ قابلیت اس فیض کے حاصل کرنیکی شیخ کی صحبت وتعلیم سے نصیب ہوتی ہے۔اس لئے باطن کو شیخ کی طرف بادنی ملابست مضاف کردیتے ہیں۔(ایضاً ص ۹۸)

(۱۲) تحقیق اختلاف مسالک اولیا

ہرنبی وہر ولی رامسلکے است ۔۔۔ لیک تاحق می برد جملہ یکے است

انبیاء کے مسلکوں میں تو احکام کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں حسب اختلاف مصالح وطبائع انبیاء علیہم السلام پر مختلف شرائع واحکام نازل فرمائے اور اولیاء امت نبی واحد میں احکام کا اختلاف نہیں بلکہ ان ہی احکام

پر عمل کرانے اور ان میں خلوص پیدا کرنے کے طرق مختلف ہیں۔ پس احکام مشترک طرق مختلف۔ جیسا مجتہدین میں اختلاف ہے ان اولیاء کا اختلاف اس سے بھی اہون اور اخف ہے کیونکہ مجتہدین میں گاہے حلت و حرمت کا اختلاف ہو جاتا ہے گو وہ بھی اختلاف شرائع سے کم ہے اس لئے کہ مجتہدین سب کے سب متمسک شریعت واحدہ سے ہوتے ہیں مگر وجوہ استدلال و فہم اسالیب و تعیین قرائن سے یہ اختلاف ہو گیا اور مقصود سب کا عمل ہوتا ہے شریعت واحدہ پر۔ اور اولیاء اختلاف احکام سے بحث نہیں کرتے احکام میں کسی ایک مجتہد کا اتباع کر لیتے ہیں پھر ان ہی احکام متبوعہ میں اخلاص و تقرب کے تحصیل طرق میں حسب ذوق واستعداد طالب و تجربہ خود مختلف تعلیم فرماتے ہیں۔

اس تقریر سے ان مدعیان تصوف کی غلطی ظاہر ہوگئی جو اہل باطن کے لئے احکام جداگانہ سمجھے ہوئے ہیں۔

(۱۳) انبیاء و خواص پر ابتلاء نعمت و مصیبت کا اثر

شغل مع غیر اللہ مانع طریق ہے اور وہ دو کلیوں میں منحصر ہے، ایک وہ حالت جو بہت ناگوار ہو دوسری وہ کیفیت جو زیادہ گوارا ہو، اس لئے کہ جو شے کم ناگوار ہو یا کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی (مثلاً آپ کچھ کام کر رہے ہیں، عین مشغولی کی حالت میں کسی مچھر نے کاٹ لیا یا عین کام کے وقت آپ نے ایک چنے کا دانہ اٹھا کر کھا لیا تو یہ دونوں حالتیں کام کی مانع نہ ہوں گی) مانع وہ حالت ہے جو زیادہ ناگوار ہو یا وہ حالت جو زیادہ گوارا ہو۔ جو زیادہ ناگوار ہو وہ مصیبت کہلاتی ہے اور جو زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے۔ پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں، مصیبت اور نعمت۔ لیکن ان کی ذات مانع نہیں ہے۔ بلکہ مانع اس وقت ہے جب کہ قلب ان سے متاثر ہو، پس مصیبت اور نعمت کا ہر

درجہ مانع نہیں ہے' یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا۔

تقریر اشکال کی یہ ہے کہ جب نعمت اور مصیبت مانع ہیں تو مصائب تو صلحاء اور اولیاء وانبیاء پر بہت آئے ہیں' چنانچہ ارشاد ہے ﴿اَشَدُّ النَّاس بلاءً الاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الاَمْثَلُ فالاَمْثَلُ﴾ (بلاؤں میں سب سے زیادہ لوگوں میں انبیاء علیہم السلام مبتلا ہوئے ہیں پھر ان کے مثل پھر ان کے مثل) اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائز ہوئی ہیں' چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رسلاً مِنْ قَبْلِكَ وجعلنا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ (اور آپ سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی) تو اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لئے بھی شاغل ہوں گی'

جواب یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت کی ذات شاغل نہیں ہے بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے۔انبیاء علیہم السلام کو تاثر اس درجہ کا نہ ہوتا تھا کہ مصیبت اور نعمت ان کو خدائے تعالیٰ سے مشغول کر دے' یہ تو نہ تھا کہ ان کو مصیبت سے تالم اور نعمت سے تلذذ نہ ہوتا تھا۔بلکہ ان کو ہم سے بھی زیادہ ہوتا تھا لیکن حق تعالیٰ کی یاد سے ان کو غفلت نہ ہوتی تھی۔ہم لوگوں کو ہو جاتی ہے۔اولاد کے ساتھ ان کو ہم سے زیادہ انس تھا۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بچے تھے بڑے بڑے کرتے پہنے ہوئے تھے' حضور ﷺ نے ممبر پر سے دیکھا کہ الجھتے پنجھتے گرتے پڑتے آرہے ہیں حضور ﷺ نے خطبہ چھوڑ کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ﴿انما اموالکم واولادکم فتنة﴾ (تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں) مجھ کو دیکھ کر صبر نہ آیا۔

ایک مرتبہ ایک رئیس نجد کے حضور ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔اس رئیس

نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے تو دس بیٹے ہیں میں تو ایک کو بھی پیار نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر حق تعالیٰ نے تمہارے دل میں سے رحمت ہی نکال لی ہو۔

حضور ﷺ نے ایسے استغناء کو پسند نہیں فرمایا

پس معلوم ہوا کہ نعمت اور مصیبت کی ذات مانع نہیں ہے بلکہ وہ درجہ مانع ہے جو افراط کے درجہ میں ہو' اور خواص کو کوئی درجہ بھی مانع نہیں ہوتا' کیوں کہ ان کو مصیبت میں زیادہ ناگواری اور نعمت میں زیادہ گوارائی ہی نہیں ہوتی' بخلاف عوام کے کہ ان کو مصیبت اور نعمت از جارفتہ کر دیتی ہے۔

اس مضمون کو دوسرے عنوان سے سمجھو' کہ انبیاء و اولیاء کو بلاء اور نعمت سے راحت اور کلفت طبعی ہوتی ہے ان کو اس میں مبالغہ اور انہماک نہیں ہوتا۔ پس راحت اور کلفت کے دو درجے ہوئے' اول طبعی' دوسرا درجہ انہماک اور مبالغہ کا کہ بشرا شرہ اور باسرہ اس میں کھپ جاوے اور دوسری طرف مطلق دھیان نہ ہو' انبیاء اور اولیاء کو طبعی راحت اور طبعی کلفت ہوتی ہے' چنانچہ جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ یعنی حضور ﷺ کے صاحبزادہ کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ کو رنج ہوا اور اَنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُوْنَ. فرمایا (میں تمہارے فراق میں اے ابراہیم غمگین ہوں) اور حضور ﷺ کے آنسو جاری ہوئے' بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ فرمایا۔ یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے قلب میں رکھی ہے۔ اسی طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر جوش محبت سے ان کو منبر سے اتر کر اٹھالیا۔ لیکن یہ حزن اور محبت طبعی تھا' جس کا ادراک خاصہ ہے طبع سلیم کا' ہاں اگر کسی پر حال غالب ہو تو اس وقت یہ طبعی کلفت اور راحت بھی نہیں ہوتی' لیکن انبیاء پر بوجہ ان کے علو مقام کے حال غالب نہیں ہوتا وہ اس سے منزہ ہوتے ہیں وہ حال پر خود غالب ہوتے ہیں' غلبہ حال اولیاء متوسطین پر ہوتا ہے جس میں ان کو راحت سے راحت اور کلفت سے کلفت نہیں

ہوتی' چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی اولاد کا انتقال ہوا وہ ہنس دیئے' لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ بڑے کامل ہیں' کامل ہونے میں ان کے شک نہیں' ہاں اکمل نہیں ہیں اکمل وہ ہے کہ جس کی حالت جناب رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہو کہ آنسو ٹپک رہے ہوں اور دل مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہ (ہر طریقہ سے) اپنے مولیٰ کی قضا پر راضی ہو' شاید کسی کو اشکال ہو کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے' اس لئے میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔

دیکھو کسی شخص کے دنبل ہوجاوے' سول سرجن کو دکھلایا' اس نے کہا کہ بغیر شگاف کے صاف نہ ہوگا' اب اس میں مریضوں کی مختلف حالت ہوتی ہے۔ بعض دل کے کمزور ہوتے ہیں' ان کو تو کلوروفام سنگھا کر بے ہوش کرکے شگاف دیتے ہیں' اس وقت اس مریض کو اس چیر پھاڑ کا کچھ الم محسوس نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ دوسری شے اس کے حواس پر غالب ہے' یہ مثال ان اولیاء اللہ کی ہے جن پر حال ایسا غالب ہوتا ہے کہ ان کو مصیبت کا الم محسوس نہیں ہوتا اور ایک قوی شخص ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ کو بے ہوش کرنیکی ضرورت نہیں۔ تم بشوق تمام اپنا کام کرو' ڈاکٹر نے دنبل تراشا' تراشنے میں اس کو تکلیف بھی ہوگی اور آہ بھی زبان سے نکلے گی' اور یاد رکھو یہ آہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ تکلیف میں آہ سے بڑی راحت ہوتی ہے۔ یہ آہ مصیبت کی مقلل (کم کرنے والی) ہے غرض اس زخم کے تراشنے کے وقت اس مریض کا منہ بھی بن جاوے گا۔ لیکن وہ دل سے راضی ہے' کاٹنے والے سے ذرا بھی اس کے دل میں کدورت نہیں ہے' چنانچہ جب وہ زخم صاف ہوگیا تو جراح کہتا ہے کہ لائیے انعام۔ فوراً جیب سے نکال کر دس روپے اس کی نذر کئے۔ اب وہ جھگڑ رہا ہے کہ حضور یہ بہت کم ہے اور دیجئے اس نے دس روپے اور نکال کر دیئے۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ ایک تو اس نے مصیبت میں ڈالا پھر اسی کو انعام دیا جاتا ہے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ زخم پر راضی تھا' یہاں بھی وہ اشکال متوجہ ہوجاتا ہے کہ

اگر راضی تھا تو ناک منہ کیوں چڑھایا' اور اگر ناراض تھا تو انعام کیوں دیا۔ وہ یہی جواب دے گا کہ کلفت طبعیہ کی وجہ سے تو ناک منہ چڑھایا اور دل سے راضی تھا کہ اس کا انجام بہتر ہے۔

یہ مثال عباد المکین کی ہے کہ ان کو مصیبت میں طبعی کلفت اور رنج ہوتا ہے۔ اور دل چونکہ یقین رکھتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت میرے مولیٰ کی ہے اس لئے راضی ہے' اعتراض یا کدورت یا انقباض نام کو بھی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شخص بڑا قوی دل ہے کہ باوجود ہوش وحواس کے پھر از جا رفتہ نہیں ہوا۔ اور اپنے خیر خواہ معالج سے اس کو کچھ انقباض نہیں ہوا۔ اگر جاہل اور نادان ہوتا تو ضرور اس سے مکدر ہو جاتا' اور وہ شخص جس کو بیہوش کیا گیا ہے وہ درجہ میں اس سے کم ہے' سول سرجن جانتا ہے کہ اگر ہم اس کو بیہوش نہ کریں گے تو بہت شور مچا دے گا' ہم کو کام نہ کرنے دے گا' پس جن کو غلبہ حال کا کلورا فارم سونگھا دیا گیا ہے وہ درجہ میں ان حضرات سے کم ہیں۔ اور یہ امر بہت ظاہر ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے رضا بالقضاء کا حکم کیا ہے' التذاذ بالقضا کا حکم نہیں کیا' اور مشائخ کے کلام سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی شیرازی" فرماتے ہیں۔

"دگر تلخ بینند دم در کشند"
اگر تلخ دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں

معلوم ہوا کہ تلخی کا تو احساس ان کو ہوتا ہے' لیکن اس سے راضی ہیں قضا کے سامنے بولتے نہیں ہیں' مولانا رومی" فرماتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من
دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو

مگر میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے، میں اپنے محبوب پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے دل کو قربان کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ دل رنجانی ہوتی ہے لیکن وہ خوش ہے۔ بہرحال رضا بالقضا کلفت طبعیہ کے ساتھ جمع ہوجاتی ہے اور جن کو اس میں لذت ہوتی ہے کلفت نہیں ہوتی۔ وہ صاحب کمال نہیں ہیں، صاحب کمال کی پہچان یہ ہے کہ اس کا حال انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہو، دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کے فراق میں کیا حال ہوا کہ روتے روتے آنکھیں مبارک سفید ہوگئی تھیں، جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿یَا اَسَفٰي عَلٰي یُوْسُفَ وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ کَظِیْمٌ﴾ (کہا اے افسوس یوسف پر اور اس کی آنکھیں سفید ہوگئیں سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا)

جب بیٹوں نے یہ حال دیکھا تو کہا ﴿قَالُوْا تَاللہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰي تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھَالِکِیْنَ﴾ یعنی بیٹوں نے کہا کہ قسم اللہ کی (اے ابا) تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے، یہاں تک کہ سخت مریض ہوجاؤ گے یا بالکل ہلاک ہوجاؤ گے۔

یعقوب علیہ السلام نے سبحان اللہ کیا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ﴿اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَي اللہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''یعنی میں تو اپنے رنج و غم کا اپنے اللہ سے شکوہ کرتا ہوں، اور میں اللہ کے یہاں کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' یہ وہی مضمون ہے۔

ھم در تو گریزم ار گریزم
اگر بھاگوں تیری ہی طرف بھاگوں نا

دیکھئے ماں جب بچہ کو مارتی ہے تو وہ روتا ضرور ہے۔ لیکن رو کر پھر ماں ہی کو لپٹ جاتا ہے۔ پس بڑا کمال ان اولیاء اللہ کا ہے کہ ان کو غم محسوس ہوا اور راضی

رفتہ نہ ہوں، اور اس شخص کی کیا ہمت ہے کہ ادھر سے ان کو ایسی لذت دی گئی کہ اس کے غلبہ میں سب بھول گئے، اور یہ جو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿ و اَعْلَمُ مِنَ اللهِ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ. ﴾ (میں اللہ کے یہاں کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) مطلب یہ ہے کہ میرے بث اور حزن کا راز تم کو معلوم نہیں ہے وہ مجھ کو معلوم ہے، یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ کاملین کی حالت کا اندازہ عوام اور ناقصین بلکہ متوسطین بھی نہیں کر سکتے۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس خود مگیر	گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد	کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
گفت اینک ما بشر ایناں بشر	ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

"یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں یکساں ہیں جیسے لکھنے میں شیر و شیر یکساں ہیں، تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہوگئی ہے کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو پہچانا نہیں اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان ہیں وہ بھی انسان ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔"

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کاملین بظاہر عوام مومنین کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے مراتب کا ادراک ہر ایک کو نہیں ہو سکتا، ظاہراً حال ان کا اور عوام کا یکساں ہوتا ہے۔ پھر کیسے کوئی پہچانے ہاں جو صاحب بصیرت ہے اس کو ادراک ہوتا ہے۔ پس صورت عوام کے مشابہ اور حقیقت متفاوت جیسے کسی بزرگ نے حضرت حق سے ناز کر کے پوچھا تھا کہ اے اللہ فرعون نے اَنا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کہا، اور منصور نے اَنَا الْحَقْ (میں حق ہوں) کہا، دونوں کا ایک ہی مدلول ہے۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ ایک مردود ہوا دوسرا مقبول' جواب ارشاد ہوا کہ فرعون نے انا ربکم الاعلی ہمارے مٹانے کو کہا تھا اس لئے ملعون ہوا' اور منصور" نے انا الحق اپنے مٹانے کو کہا اس لئے مقبول ہوا' اسی مضمون کو مولانا" فرماتے ہیں۔

گفت فرعونے انا الحق گشت پست	گفت منصور" ے انا الحق گشت مست
فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا	منصور" نے انا الحق کہا مقبول ہوئے'
رحمۃ اللہ ایں اَنَا را دروفا	لعنۃ اللہ آں اَنَا را درقفا
وفا میں یہ اَنَا اللہ کی رحمت ہے۔	اس اَنَا کے پیچھے اللہ کی لعنت ہے

منصور" کے انا الحق کے معنی یہ تھے کہ اَنَا کوئی شے نہیں' جس کو اَنَا کہا جاتا ہے وہ بھی حق ہے' اور فرعون کے انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق جس کو کہا جاتا ہے وہ انا ہی ہے۔ سوائے میرے کوئی حق نہیں ہے۔

یہاں بھی صورت دونوں قول کی یکساں اور معنی متفاوت' غرض انبیاء مغلوب نہیں ہوتے' لیکن رضا میں کامل ہوتے ہیں' اور مغلوب نہ ہونے کے سبب انبیاء کو مصیبت میں لذت نہیں ہوئی' اور جن پر حال غالب تھا ان کو مصیبت میں کلفت محسوس نہیں ہوئی' بلکہ لذت اور مزہ آیا۔

اور تیسرا گروہ عوام کا ہے کہ ان کو مصیبت میں الم اس قدر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں کھپ جاتے ہیں اور دوسری جہت مقابل یا تو بالکل گم ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے۔ اور بعضوں بلکہ اکثر کی زبان سے شکوہ اور شکایات بھی اپنے مولیٰ کا نکلتا ہے۔ عوام کی مصیبت ان کا جیلخانہ ہے۔ اور خواص کے لئے زخم کا نشتر ہے' عوام مصیبت میں اسی کا سبق لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جس کا کوئی حاصل نہیں' ایسا نہ کرے بلکہ مومن کو چاہئے کہ جو معالجات اور آداب ہر مرض اور ہر حال کے متعلق حق تعالیٰ نے ہم کو ارشاد فرمائے ہیں ان پر عملدرآمد رکھے اس لئے کہ کوئی ایسا مرض نہیں ہے جس کا علاج ہم کو نہ بتلایا گیا ہو۔

درد از یارست درماں نیز ھم　　دل فدائے اوشد وجان نیز ہم

"درد بھی محبوب کی طرف سے ہے اور علاج بھی اسی کی طرف سے، دل اور جان میری اس پر فدا ہے"

(۱۴) اہل اللہ کی حیات برزخ

فرمایا کہ اہل اللہ کا تذکرہ بعد موت کے بھی باقی رہتا ہے ورنہ ہزاروں مرتے ہیں کوئی چند دن کے بعد نام بھی نہیں لیتا اور یہ حیات برزخیہ اگرچہ ہر شخص کو مرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے مگر اہل اللہ کی حیات دوسروں کی حیات سے قوی ہوتی ہے اسی کو فرماتے ہیں "ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما" (جریدہ عالم پر ہمارا دوام ثابت ہے) اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کی صفات ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور یہ حضرات مظہر صفات الٰہی ہیں اس لئے ان کو بھی کسی قدر دوام وبقاء سے حصہ ملتا ہے۔

(۱۵) اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں

فرمایا۔ حق تعالیٰ کی صفات پر مجھے ایک بات یاد آئی جو بہت ہی کام کی بات ہے جو حق تعالیٰ نے آج عطا فرمایا ہے اس کی قدر وہ جانے جس پر گزرتی ہے۔ مجھ سے اگر پوچھئے تو لاکھوں کی بات ہے وہ یہ کہ بعض سالکوں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ ان میں تاثر کم ہوتا ہے نہ خوف نہ غلبہ شوق نہ زیادہ غلبہ محبت بس ان کی طبیعت خالی خالی معلوم ہوتی ہے اور بعضوں پر احوال ومواجید کا بہت غلبہ ہوتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر رقت اور خوف طاری ہوجاتا ہے گریہ غالب ہوجاتا ہے کبھی شوق ومحبت میں سکر کی سی کیفیت رہتی ہے تو جن سالکوں پر ان احوال کا غلبہ

نہیں ہوتا وہ پریشان رہتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے کچھ فائدہ نہیں ہوا لیجئے آج میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں اور وہ علم ایک نیک بی بی کے خط کے آنے سے حاصل ہوا۔

انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں موت کثرت سے ہو رہی ہے مگر مجھے خوف نہیں معلوم ہوتا نہ کچھ رقت طاری ہوتی ہے یہ حالت کیسی ہے۔ان کو تو میں نے یہی لکھ دیا کہ حالات مقصود نہیں ہیں بلکہ اعمال مقصود ہیں اگر اعمال میں کوتاہی نہ ہو تو ان حالات کے ہونے یا نہ ہونے کی کچھ بھی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔مگر اس کی حقیقت جو اسی وقت میرے دل پر منکشف ہوئی وہ ان کو نہیں لکھی کیونکہ وہ بات ان کی فہم سے زیادہ تھی۔

اور اس حقیقت کے سمجھنے سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصود حضرت حق میں فنا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا اور متخلق باخلاق اللہ ہونا یہ مقصود ہے۔دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت حق میں جو صفات ہیں ان سے مراد غایات ہیں مبادی نہیں۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبداء ایک منتہا۔مبداء انفعال ہوتا ہے مثلاً ہمارے اندر رحمت وشفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبداء ہے ایک منتہا ہے۔مبداء یہ کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے دل پر اثر ہوتا ہے یہ انفعال ہے اور منتہا یہ ہے کہ دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ ہمدردی کی اس کی اعانت کی یہ فعل ہے' اور یہی مقصود بھی ہے صفت رحمت سے۔اسی طرح حیا اور علم ورغبت وغیرہ۔تو حق تعالیٰ چونکہ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں اس لئے ان کو جو رحمٰن الرحیم عفو غفور وغیرہ کہا جاتا ہے تو ان کی صفات میں صرف غایات مراد ہیں مبادی مراد نہیں ایک مقدمہ یہ ہوا۔اب یہ سمجھئے کہ خوف اور محبت وغیرہ جو صفات ہیں ان کے اندر بھی دو درجے ہیں ایک مبدا اور دوسرا منتہا مبدا وہی تاثر اور انفعال ہے کہ خدا کی عظمت وجلال کے خیال سے

دل پر اثر ہوا رقت طاری ہوئی اور منتہا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے۔ محبت کا مبدا یہ ہے کہ دل میں عشق کی دھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال ہے اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے تو جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر استقامت حاصل ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجا لانے والا ہو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے تو یہ شخص اصل متخلق باخلاق اللہ ہے اور جس پر ان کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پائے گئے۔ پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا متخلق باخلاق اللہ نہیں ہے۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد سالکین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جن احوال وکیفیات کے فقدان سے وہ پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو جو کہ مقصود ہے اس لئے اب ان چیزوں کی خواہش اور تمنا میں نہ پڑنا چاہئے بلکہ جس حال میں محبوب نے رکھا ہے اسی میں خوش رہنا چاہئے۔ اس میں حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو غلبہ احوال عطا فرمایا اور کسی کو بدون اس کے ہی استقامت عطا فرمادی' کسی پر خوف کا غلبہ ہے وہ رو رہا ہے' کسی پر رجاء کا غلبہ ہے وہ ہنس رہا ہے' کسی پر طلب اور شوق کا غلبہ ہے وہ بے چین ہے اور کسی پر کوئی حال غالب نہیں وہ سادگی کے ساتھ اعمال مقصودہ میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں ایک کو دوسرے کے حال کی طلب نہ کرنا چاہئے۔

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است
بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

(گل سے کیا کہہ دیا ہے کہ خندان ہو رہا ہے اور بلبل سے کیا

فرمادیا ہے کہ نالاں ہے)

اگر حق تعالیٰ نے صاحب اضطراب بنایا ہے تو سکون کے طالب نہ بنو اور صاحب سکون بنایا ہے تو اضطراب کے طالب نہ بنو۔اب جو لوگ کام کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ یہ علم کس قدر عظیم ہے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی اور پریشانی اور غم کا پہاڑ دل سے ہٹ گیا ہوگا کیونکہ سالکین کو ذرا ذرا سی بات سے رنج وغم ہونے لگتا ہے اگر کچھ بھی شبہ اس کا ہوجائے کہ ان کی محبت میں یا طلب میں کمی ہے تو بس ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود
گرز باغ دل خلالے کم بود

(عارف کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں اگر اس کے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہوجاتا ہے)

"استقامت کا مفہوم"

یہ علوم اور حقائق وہ چیزیں ہیں کہ سالکین ان کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔اب میں غور کرتا ہوں اگر میرے پاس ہزار گاؤں ہوتے تب بھی جو مسرت اس وقت مجھ کو اس علم کے حاصل ہونے سے ہوئی میں سچ کہتا ہوں کہ ہزار گاؤں کی اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔خلاصہ یہ کہ اگر کسی پر خوف وشوق کا غلبہ نہ ہو مگر استقامت اعمال نصیب ہوگئی ہے اس کو بے فکر رہنا چاہئے مگر سامان کرنے کے بعد۔کیونکہ اگر اعمال کے اہتمام کا سامان نہ کیا تو پھر استقامت فوت ہوجائے گی۔مثلاً ایک شخص کی یہ کیفیت ہے کہ اس کی آنکھ تہجد کے وقت بلاناغہ کھل جاتی ہے اس کے دل میں کیفیت شوقیہ ایسی ہے کہ

وقت پر مجبوراً اٹھا کر بٹھا دیتی ہے اور دوسرے شخص پر یہ کیفیت غالب نہیں مگر وہ ہر روز تہجد کا سامان کر کے لیٹتا ہے لوٹا وجانماز پاس رکھ لیتا ہے' شام کو کھانا بھی کم کھاتا ہے تاکہ اٹھنے میں اعانت ہو' عشاء کے بعد فوراً ہی سو بھی رہتا ہے' اذکار' ادعیہ پڑھ کر سوتا ہے اگر اس کی نماز تہجد کی کسی دن قضا بھی ہو جائے تو یہ استقامت کے خلاف نہیں اور نہ یہ شخص پہلے شخص سے کچھ ثواب میں کم ہے کیونکہ ہمیشہ بلا ناغہ اٹھنا اس کے اختیار سے نہیں ایک کیفیت شوقیہ اس پر مسلط ہے وہ اٹھا دیتی ہے اور یہ شخص کیفیت سے خالی ہے مگر جتنا سامان کرنا اس کے قبضہ میں تھا وہ سب کر لیتا ہے پھر بھی اگر کسی دن تہجد اس کا ناغہ ہو جاوے تو یہ اس کے اختیار سے باہر ہے امید یہ ہے کہ اس کو اس دن بھی تہجد کا ثواب ملے گا اور کبھی کبھی تہجد کا ناغہ ہو جانا بشرطیکہ سامان اٹھنے کا ہمیشہ کرتا ہو استقامت کے منافی نہیں بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر ایک شخص جاگنے کا سامان کر کے سو جائے یا اس کی فرض نماز بھی قضا ہو جائے تب بھی اس پر ملامت نہیں نہ یہ بات استقامت کے خلاف ہو گی۔

حضور ﷺ سے زیادہ کون صاحب استقامت ہو گا' لیلۃ التعریس میں خود حضور ﷺ کی فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک بار قافلہ رات کو چل رہا تھا اور گرمیوں کے موسم میں اہل عرب اکثر رات کو سفر کرتے ہیں' اخیر شب میں آپ منزل پر پہنچے اور اس وقت تک صبح ہونے میں ذرا دیر تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا ہے جو صبح کی نماز کے لئے ہم کو جگا دے اور ہم سو رہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا آپ جاگنے کا پورا سامان کر کے بے فکر سو رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھے رہے کہ صبح ہوتے ہی اذان دوں گا کہ حق تعالیٰ نے ان پر بھی نیند غالب کر دی وہ بھی بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے۔ یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور کوئی نہ جاگا۔

سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی آنکھ کھلی آپ ﷺ نے سب کو جگایا۔
صحابہ رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز قضا ہونے کا قلق ہوا مگر حضور ﷺ کو قلق نہیں ہوا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جتنا کام ہمارے قبضہ کا تھا وہ ہم کر چکے تھے کہ ایک معتبر شخص کو جگانے کے لئے مقرر کر دیا اس پر بھی اگر نماز قضاء ہوگئی اور اتفاق سے وہ شخص بھی سو گیا تو یہ محض تقدیری امر ہے 'اب اس پر قلق کرنا مشیت الٰہی کا مقابلہ کرنا ہے' ہاں اگر طبعی قلق ہے تو مضائقہ نہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو یہ فرما کر تسلی کی لا تَفْرِيطَ فِي النَّوْمِ اِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقْظَةِ کہ نیند میں اگر کچھ کوتاہی ہو جائے وہ کچھ کوتاہی نہیں 'کوتاہی وہی ہے جو کہ بیداری میں ہو اور یہ نماز تمہاری بیداری میں قضا نہیں ہوئی سوتے ہوئے میں قضا ہوئی اس پر کوئی ملامت نہیں کیونکہ سونے کی حالت میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے البتہ سونے سے پہلے جاگنے کا سامان اپنی وسعت کے موافق کرنا ضرور تھا سو وہ تم کر چکے تھے سامان کرنے کے بعد بھی جب نماز قضا ہوگئی تو اس پر قلق کی ضرورت نہیں یہ تقدیری امر تھا۔

شاید کسی کو شبہ ہو کہ حضور ﷺ کی نیند تو اونگھ کے مشابہ تھی آپ کو گہری نیند نہ آتی تھی حتیٰ کہ آپ کا وضو بھی سونے سے نہ ٹوٹتا تھا کیونکہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا تھا' تو پھر آپ ﷺ کی نماز کیسے قضا ہوگئی۔

جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس روز حق تعالیٰ نے قضا نماز کے احکام مشروع فرمانے کے لئے آپ ﷺ کے اوپر کوئی کیفیت استغراقیہ غالب فرما دی ہو کہ مشاہدہ جمال حق میں وقت کی خبر نہ ہوئی اور آپ ﷺ کی نماز قضا ہو جانے میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ ایک تو یہی حکمت ہوئی کہ آپ نے قضا نماز کے احکام مقرر فرما دیئے دوسرے بعد والوں کو تسلی ہوگئی کہ اگر کسی کو اتفاقی طور پر امت میں ایسی صورت پیش آ جائے تو وہ غم سے ہلاک نہ ہو جائیں' اس واقعہ سے ان کو تسلی ہو جاوے گی کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے۔

غرض اس طریق میں ناامیدی اور مایوسی کا نام نہیں۔ قدم قدم پر تسلی

موجود ہے۔اور مولانا تو دل کھول کر فرماتے ہیں۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست
سوئے تاریکی مرد خورشید ہاست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید مت ہو بہت سی امیدیں رکھو)

ہاں جہل کا کچھ علاج نہیں کہ کوئی خواہ مخواہ اس غم میں پڑے کہ ہائے میرے اندر خوف کا غلبہ نہیں' شوق اور اضطراب نہیں۔بس مقصود یہ ہے کہ اعمال میں مشغول ہونا چاہئے ان میں کمی نہ کرو پھر اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ رونا آتا ہے یا نہیں' خوف کا غلبہ ہے یا نہیں۔بس کام میں لگو اور زیادہ کاوش مت کرو۔اب لوگ یہ تو کرتے نہیں فضول کاوشیں کرتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اور پریشانی بڑھتی ہے۔

(۱۶) رسالہ التخفیف فی الاختیار الضعیف

امور اختیاریہ کی تشریح: حضرت یہ امور اختیاریہ کا جو مسئلہ ہے اسکی نسبت اکثر ایک وسوسہ یہ ہوا کرتا ہے خصوصاً اپنے ہی حالات پر نظر کرنے سے کہ کیا جسمانی امراض خاص کر ضعف قلب و دماغ اور مسلسل خلاف طبع حالات کے پیش آتے رہنے سے یہ اختیار بھی ضعیف و مضمحل نہیں ہوجاتا ہے اور کیا پھر اس حد تک یہ اختیار امور غیر اختیاریہ میں داخل ہوجاتا ہے۔نیز ارادہ واختیار میں اور نیت میں کیا فرق سمجھوں مثلاً اگر نماز میں خشوع وخضوع کی ہر وقت نیت رکھتا ہوں اور پھر بھی یہ اس درجہ تک کابھی نہ حاصل ہوتا ہو جس کو حضرت امر اختیاری میں فرمایا

کرتے ہیں تو ایسی نیت معتبر ہوگی۔

تحقیق: خشوع لغۃً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح جسکی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب جس کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر قدرت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اس پر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت زائدہ علی الصلوۃ صادر نہ ہونے دے وہ اسی کا مکلف ہوگا اور مریض صاحب وجع غلبہ وجع کے وقت اس پر قادر نہیں جب درد اٹھے گا وہ بے چین ہوکر پیچ وتاب کھائیگا اسلئے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ اس سکون کی تجدید کا مکلف ہوگا۔ اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بھی بقدر قدرت ہوگی مثلاً جو شخص تمام اسباب مشوشہ سے محفوظ ہو وہ حرکات فکریہ کے انقطاع کلی پر قادر ہے وہ اسی کا مکلف ہوگا اور جو اسباب مشوشہ میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں اسلئے وہ اس درجہ کا مکلف بھی نہ ہوگا البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا میسر ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے۔

اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے وہ زیادہ قابل اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے اگر صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح حکیم تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے وہ یہ ہے کہ اس قطع حرکت فکریہ کا طریق کیا ہے کیونکہ یہ قطع براہ راست حاصل نہیں ہوتا کما ھو مشاھد بلکہ طریق اس کا یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کردیا جاوے جو وضع صلوۃ کے خلاف نہ ہو مثلاً ذات حق کی طرف برابر متوجہ رہے اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے اس پر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حسناء کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں یا نماز میں جو اذکار وقراءت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا ان کے معانی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا اسلئے یہ توجہ مانع ہوجاویگی دوسرے

خطرات کے آنے سے یہ ہے وہ طریق۔

اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے کسی شخص کیلئے ایک تصور نافع ہے۔ دوسرے شخص کیلئے دوسرا تصور۔ بعض اوقات صاحب معاملہ بوجہ عدم بصیرت وعدم تجربہ کے اپنے لئے ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اسکی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اسلئے اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہوکر اس غلط گمان میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اسلئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس مامور بہ کی برکت سے محروم رہتا ہے اسلئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔

دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اسمیں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلا نہ آنے پائے اور اسکے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتی کہ نوبت کلال وملال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس کے بعد ترک کر دینا ہے سو اسلئے ضرورت ہے ترک کاوش کی بس سرسری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کیساتھ دوسرا کوئی خطرہ آجاوے وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کی جاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلاقصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی۔ اور ایک غلطی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنے کے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا یا بلاقصد سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے۔ اگر فرضاً یہی تحقیق ہوجاوے کہ قصداً آیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کیلئے تدارک کیا ہی جائے گا سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہوجاوے تو کیا ضرر ہے اور وہ تدارک بغور تنبہ کے تجدید ہے اس توجہ مقصود کی اور نیت وارادہ جو کہ مترادف ہیں قبل اختیار ہوتے

ہیں جو بدون اختیار کئے ہوئے مامور بہ کے کافی نہیں جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کا مخلص اس فرق کی تحقیق کو سوچا تھا اب وہ بدوں اس تحقیق کے بحمداللہ حل ہوگئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ میں بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا۔ وللہ الحمد۔

(حال : الحمد للہ کہ مسئلہ "امور اختیاریہ" کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا بخشی اور شرح اسباب کیساتھ بخشی اطال اللہ بقائکم و نفعنا بہ.)
(اب صرف ایک بات اور جاننا چاہتا ہوں، کہ حضرت نے حرکت فکریہ کے قطع کی جو صورتیں تحریر فرمائیں ان میں سے یا ان کے علاوہ جو میرے لئے زیادہ موثر و مناسب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جاوے۔)

ایک استفسار یہ کہ : (میں بطور خود تو کچھ نماز میں پڑھتا ہوں اسی کے معنے پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی اتنی کم ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ کم از کم جس وقت اھدنا الصراط المستقیم زبان سے ادا ہوتا ہے اسی کے معنے پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے مقتدی ہونیکی صورت میں پاس انفاس کا لحاظ رکھنا چاہتا ہوں اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے)
(بہرحال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں۔ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں)
اس استفسار پر تحریر فرمایا:

تحقیق۔ اس سوال سے اسلئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اس کو یہ سوال پیش آویگا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس

کے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رفع پریشانی کے سبب ہوگئے و الحمد للہ علي ذلك.

اور خط سابق لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جاوے اور کئے جانے کی امید بھی تھی۔اب جواب عرض کرتا ہوں۔

اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض اگرچہ اشیاء مختلفہ کی طرف ہو۔دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلاخوض ہو۔ اب جس شخص کو آیات واذکار کے معانی بلاخوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ مافیہ الفکر شے واحد ہے اسلئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی۔ بخلاف اس شخص کے جس کو سوچنے سے معنی یاد آتے ہوں اس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی (اسلئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی) پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کیلئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی الشی الواحد خواہ وہ شے واحد کچھ ہو ذات حق ہو یا رویت حق للعبد یا نظر الي الكعبه یا کچھ اور۔ اور توجہ الی الحق کی تفصیل (آپ نے دریافت فرمائی ہے) وہ یہی ہے کہ یا ان کی ذات کا اجمالاً تصور رکھے جس طریق سے بے تکلف ذہن میں آجاوے جس پر ہر شخص قادر ہے زیادہ کاوش کی حاجت نہیں۔یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے مثلاً وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

توجہ الي الشي الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اور بیحد نافع بھی ثابت ہوا وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات صلوۃ وتلاوت واذکار بلکہ افعال مباحہ میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری خلل نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں بس اتنا ہی تصور کافی ہے ابتداء میں استحضار ضعیف ہوگا مگر ممارست کے بعد اس استحضار میں دوام پیدا ہوجائے گا۔

چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا تناسب اپنی طبیعت کے ساتھ مشاہدہ کرچکا ہوں امید ہے کہ آپ کیلئے بھی انشاءاللہ تعالیٰ نافع ہو گا اور اس مبحث کے متعلق جو تنبیہات رقیمہ سابقہ میں عرض کرچکا ہوں وہ سب اس میں بھی ملحوظ رہیں و اللہ الموفق۔امید ہے کہ سب اجزاء سوال پر بقدر ضرورت کلام ہوچکا ہے اگر کچھ رہ گیا ہو پھر متنبہ فرمادیا جاوے والسلام فقط)(بوادر النوادر)

"اختیاری و غیر اختیاری پریشانی"

(۱۷) پریشانی کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو باختیار ہو۔کہ انسان کے کسب کو اس میں دخل ہو۔دوسرے وہ جو بلا اختیار ہو کہ انسان کے کسب کو اسمیں دخل نہیں پھر جس میں کسب کو دخل ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس کا جلب وسلب دونوں اختیاری ہیں۔یعنی اس کے پیدا ہونے میں بھی کسب کو دخل ہے اور دفع کرنے میں بھی۔اور ایک وہ جس کا جلب تو اختیاری نہیں۔مگر دفع اختیاری ہے۔یہ بھی کسبیہ میں داخل ہے پس جس پریشانی کا جلب وسلب اختیاری ہو اس کے اسباب کو خود پیدا کرنا سخت مضر ہے۔اور جس کے اسباب جلب اختیاری نہیں۔مگر دفع اختیاری ہے۔اس کے اسباب مدافعت کو اختیار نہ کرنا اور پریشانی میں مبتلا رہنا بھی مضر ہے اور ایک پریشانی وہ ہے جس کا نہ جلب اختیار میں ہے نہ سلب یہ واقعی خیر ہے۔(اختیاری و غیر اختیاری پریشانی اشرف المسائل ص ۱۴۱)

اور اسی کی نسبت یوں کہا جائے گا۔

درد از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

یعنی اس کے لئے درمان کی بھی طلب نہیں کی جائے گی اور یہی وہ پریشانی ہے جس کے بارہ میں عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم ایدل کسی گمراہ نیست

یعنی طریقت میں جو امور طریقت کے متعلق پیش آئیں وہ تو خیر ہیں ہی۔ جو امور طریقت کے علاوہ بھی بدوں اس کے کسب واختیار کے پیش آئیں وہ بھی اس کیلئے خیر ہیں (ص ۱۴۲)

جو تشویش قلب اختیار سے ہو وہی مضر ہے۔ کیونکہ یہ شخص خود پریشانی کو خریدتا ہے اور اگر بلا قصد تشویش ہو۔ وہ کچھ مضر نہیں۔ مثلاً ایک شخص صاحب عیال ہے۔ اس وجہ سے دنیا میں مشغول ہے۔ اور اس کو کسی وقت یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ نماز اور ذکر میں بلا قصد وساوس مشوشہ آتے رہتے ہیں تو یہ کچھ مضر نہیں اور جس کو پریشانی کچھ نہیں مگر خواہ مخواہ بالقصد مشوشات کو جمع کرتا ہے یہ مضر ہے پس جن مشغلین بالدنیا کو توسط فی الغذاء سے یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ہرگز پریشاں نہ ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد جو تشویش بلا قصد ہوگی وہ ذرا مضر نہیں۔ کہ وہ محض وسوسہ غیر اختیاری ہوگا۔ جو وسوسہ وحدیث النفس غیر اختیاری ہو وہ مضر نہیں البتہ جو بقصد ہو اور بلا ضرورت ہو۔ وہ مضر ہوتا ہے اور یہ بات کہ ضروری مضر نہیں اور غیر ضروری مضر ہے کچھ حدیث النفس ہی کیساتھ خاص نہیں۔ بلکہ حدیث اللسان یعنی کلام لسانی میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ ہر چند کہ تقلیل الکلام ضروری ہے اور تکثیر کلام مضر ہے۔ مگر وہی تکثیر مضر ہے جو بے ضرورت ہو۔ چنانچہ بلا ضرورت ایک کلمہ بھی زبان سے نکالنا قلب کا ستیاناس کر دیتا ہے۔ مگر قلب پر چونکہ ظلمت محیط ہے اس لئے بہت لوگوں کو اس مضرت کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر قلب میں نور ہو تو معلوم ہوگا کہ اس ایک غیر ضروری کلمہ سے قلب کا کیا حال ہوگیا۔ لیکن بضرورت تکثر ہو۔ تو کچھ بھی مضر نہیں۔

مثلاً ایک شخص پہرہ پر نوکر ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا ہے۔ اس سے نور

قلب میں کچھ بھی کمی نہ آئیگی۔اسی طرح دوکاندار خریداروں سے تجارت کی ضرورت سے گھنٹوں باتیں کرتا ہے۔تو جب تک ضرورت کی وجہ سے باتیں کر رہا ہے۔اس کے قلب کو اس سے کچھ ضرر نہ ہو گا۔خواہ کتنی ہی دیر لگ جائے۔اسی طرح تحریر میں جب تک ضرورت کا مضمون لکھا جائے کچھ ضرر نہ ہو گا۔اور بے ضرورت ایک جملہ بھی لکھا گیا۔تو قلب کا ناس ہوجائے گا۔یہ ذرا سی بات ہے۔اس کو غور سے سنو۔کیونکہ بہت لوگ کلام فضول کو تو مضر سمجھتے ہیں مگر تحریر کو مطلقاً مضر نہیں سمجھتے۔گو فضول ہی ہو وہ اس کو کلام ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی ایک نوع ہے کلام کی۔(اشرف المسائل ص ۱۳۸)

جو شخص غیر اختیاری امور کی طلب کرے گا وہ ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہے گا۔بعض ثمرات تو موعود بھی نہیں۔ان کا ترتب تو یقینی بھی نہیں۔ان کی فکر میں پڑنا تو پوری پریشانی ہے۔باقی جو موعود بھی ہیں۔جیسے اجر و ثواب ان کا وعدہ آخرت میں ہے۔یہاں ان کا انتظار کرنا بھی ظاہر ہے کہ پریشانی ہی پریشانی ہے۔خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک کام بتلایا ہے۔اور ایک شے کا وعدہ کیا ہے۔ہمارا کام عبادت ہے۔وہ اپنا وعدہ آخرت میں خود پورا کریں گے۔ہمارا طالب ثمرات ہونا خلاف عبدیت ہے۔اور اسی طرح یہ دیکھنا کہ میں اتنے دنوں سے کام کر رہا ہوں کچھ ملا بھی یا نہیں۔خلاف اخلاص بھی ہے۔کیونکہ ثمرات عاجلہ کا طالب ہونا ہے۔حالانکہ اب بھی جو اس کو مل رہا ہے یعنی اصلاح کے تدریجی مراتب اس کا اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔(الدین الخالص ص ۱۴۱ اشرف المسائل، پریشانی ص ۲۱)

(۱۸) مفاسد اہتمام امور غیر اختیاریہ

منجملہ موانع طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں جو اس قدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو۔ بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسے ذوق وشوق و استغراق ولذت ویکسوئی و دفع خطرات و سوزش وانجذاب و عشق طبعی و امثالہا اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔ اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے اہتمام میں لگ جاتے ہیں۔ جیسے قبض وہجوم خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ وامثالہا اور ان امور کو طریق کیلئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونے کو موجب بعد عن اللہ سمجھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ دو امر جن میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں۔ اور امر مشترک ان دونوں امر میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالۃً اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا مشتمل ہے متعدد مفاسد پر۔ ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ در پردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد ﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا﴾ کی مزاحمت ہے کیونکہ جب یہ امور غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسع میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالۃً کیونکہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں۔ اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں۔

پس جب یہ انسان کی وسع میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا

ازالہ کو موقوف علیہ مقصود ماموربہ کا سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ ماموربہ کا موقوف علیہ ماموربہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو ماموربہ سمجھا اور ماموربہ کیلئے وسع کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسع میں ہیں نہیں تو گویا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ ماموربہ کیلئے وسع شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوئی ارشاد ﴿لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا﴾ کی۔ اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔

دوسرا مفسدہ یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور یہ تحصیل وازالہ کے لئے کوشش کرے گا۔ جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی پھر اس پریشانی کے یہ آثار محتمل ہیں اول۔ پریشانی کے تواتر سے کبھی بیمار ہوجاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد وطاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔ ثانی پریشانی وغم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہوجاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔ ثالث۔ غم وفکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل وعیال یا دیگر اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ رابع۔ کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہوکر خودکشی کرلیتا ہے اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنتا ہے۔ خامس۔ کبھی مایوس ہوکر اعمال وطاعات کو بیکار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت وتعطل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ سادس۔ کبھی شیخ سے بداعتقاد ہوجاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود ان ہی کو معلوم نہیں۔ سابع۔ کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہوجاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش ومجاہدہ کررہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی۔ ذرا رحمت نہیں فرماتے۔ بالکل توجہ نہیں ہے۔ خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے۔ ﴿والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا الآیہ﴾ اور ﴿من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا﴾ الحدیث۔ تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔ (بوادر النوادر ص ۹۷)

(۱۹) ترک تعلق کا اہتمام

بعض سالکین کو ترک تعلقات کا بیحد اہتمام ہوتا ہے اور اسی کے دقائق میں غور و فکر اور عمل کو لگائے رکھتا ہے۔ مثلاً کسی نے اپنے ذمے بہت سے فضول کام لے رکھے تھے انہیں کم کر دیا۔ بازار کے کام کم کر دیئے۔ معاملات و تعلقات، میل جول وغیرہ کو اس مصلحت سے گھٹا دیا کہ ان تعلقات کے کم ہونے سے تعلق مع اللہ پیدا ہو۔ پھر قلب کو خالی کر کے متوجہ بحق ہو۔ یہ نیت اچھی ہے اور مذاق چشتیہ کے موافق ہے۔ مگر اس کے استعمال میں بعض دفعہ غلطی ہو جاتی ہے وہ یہ کہ تخلیہ اور تحلیہ ساتھ ساتھ آتے نہیں یعنی جس زمانہ میں یہ شخص تقلیل تعلقات غیر میں مشغول ہوتا ہے اس وقت تکثیر تعلقات مع اللہ میں مشغول نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک وقت اس پر ایسا گزرتا ہے کہ اس کا دل بالکل خالی ہو جاتا ہے کہ نہ اس میں تعلق مع الخلق ہے نہ تعلق مع اللہ کیونکہ تعلق مع اللہ سے تو قلب کو بھرنے کا اس نے قصد ہی نہیں کیا۔ یا قصد کیا ہو مگر اس کیلئے عمل تھوڑا کیا۔ جو کافی نہیں ہوا۔ اور تعلق مع اللہ چونکہ تعلق مع الغائب ہے۔ اس لئے وہ بھی ایسا قوی نہیں ہوا کہ دوسرے تعلقات کو دل سے نکال کر خود اس میں بھر جائے تو اس نے اپنے نزدیک مخلوق سے اپنے دل کو خالی کیا لیکن وہ اس وقت تعلق مع الحق سے بھی خالی ہے۔ تو شیطان نے میدان خالی پاکر اپنا قبضہ جمالیا۔ کیونکہ خالی میدان پر دشمن کا قبضہ آسانی سے ہو جاتا ہے۔

اس کی ایسی مثال ہے۔ کہ تم نے سپاہیوں کے واسطے ایک گاڑی خالی کرائی جس میں چمار بیٹھے تھے۔ لیکن غلطی یہ کی کہ چماروں کے اترنے کے ساتھ ہی سپاہیوں کو بھرنا شروع نہ کیا۔ بلکہ گاڑی کے خالی ہونے کا انتظار کیا۔ اب جس وقت گاڑی چماروں سے خالی ہوگی۔ اور سپاہیوں سے بھی خالی تھی۔ دشمن نے خالی دیکھ کر وہاں بستر جمالیا۔ تم کو چاہئے تھا کہ جو چمار اترتا جاتا۔ اس

کی جگہ ایک سپاہی کو بٹھاتے جاتے۔تاکہ گاڑی خالی نہ ہوتی۔اور دشمن کو سہولت سے قبضہ کرنے کا موقع نہ ملتا۔

اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ بعض دفعہ تعلقات مباحہ بھی دل کے واسطے شیطان سے پہرہ دار ہوتے ہیں۔کیونکہ دل بھرا ہوا تو ہے۔گو تعلق مع اللہ سے نہ سہی۔تعلقات مباحہ ہی سے بھرا ہوا سہی مگر میدان تو خالی نہیں تو دشمن وہاں نہیں آسکتا۔(ایضاً ص ۶۹، ۷۰)(اشرف المسائل ص ۱۷)

(۲۰) تحقیق توہم حجاب بہ بعض طاعات

حال :اس میں (یعنی تصانیف میں) جس قدر مشغول ہوتا ہوں نسبت کو ضعف ہوتا جاتا ہے۔

تحقیق :اس ضعف کی حقیقت التفات الی المقصود کا بواسطہ ہونا ہے اس کے مقابلہ میں جو قوت ہے وہ التفات بلاواسطہ ہے۔جیسے محبوب کا مشاہدہ بواسطہ آئینہ کے کہ بار بار دل بیقرار ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرف پشت کر کے مڑ کر بلاواسطہ آئینہ کے محبوب کو دیکھ لوں۔لیکن اگر محبوب کی رضا اورامر کسی وقت وہی مشاہدہ بواسطہ ہو تو عاشق کو قرب اسی مشاہدہ بواسطہ میں ہوگا اگرچہ لذت انکشاف کی مشاہدہ بلاواسطہ میں زیادہ ہے۔پس جس نے نسبت وتعلق خاص اس مشاہدہ بلاواسطہ کو سمجھا اس کو شبہ ہوگا مشاہدہ بواسطہ میں ضعف تعلق کا۔والا فالامر بالعکس —میں ہمیشہ سے وجداناً یہی سمجھتا ہوں کہ حدیث میں جو ہے انہ لیغان علي قلبي وہ غین یہی توجہ الی الخلق للارشاد ہے کہ وہ عین توجہ الی الحق بواسطہ مرآۃ الخلق ہے کہ عاشق بے صبری طبعی سے اس کو حجاب سمجھتا ہے۔

عالم تعلقات

(۲۱) جلوت و خلوت

یاد رکھنا چاہئے کہ ماسوا اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ تعلق محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے وہ تو عین تعلق بحق ہے۔اس کا قطع ناجائز ہے۔ تعلق مذموم جس سے شرع نے نہی فرمائی ہے۔اس کا قطع واجب ہے۔ تعلق مباح جو نہ طاعت ہے نہ معصیت اس میں قطع کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقلیل اور انہماک نہ کرنا ضروری ہے۔پس جہاں قطع تعلق کی تعلیم ہے۔ مراد تعلق محمود نہیں بلکہ مذموم و مباح ہے۔ مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے۔

(ص ۵۷ 'اشرف المسائل ص ۱۴۷)

اختلاط میں ایک نفع تو یہ ہے کہ تعلیم و تعلم اسی پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم و تعلم کا باب مسدود ہو جائے گا۔ دوسرے اختلاط میں خدمت خلق کا موقع ملتا ہے۔ جو شخص سب سے منعزل ہو گا وہ خدمت خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ تیسرے جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو شخص عزلت گزین ہو گا۔ وہ جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔ چونکہ نفع اختلاط میں یہ ہے کہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے جب آدمی مخلوق سے ملے گا تو بہت لوگوں کو اپنے سے افضل پائے گا۔ تو اس شخص کی نظر اپنے اعمال پر کم ہو گی کیونکہ اپنے سے افضل اعمال کو دیکھ کر سمجھے گا کہ میں کرتا ہی کیا ہوں۔ اللہ کے بعض بندے مجھ سے زیادہ عمل کرنیوالے ہیں اور عزلت میں دوسروں کے اعمال تو پیش نظر ہوتے نہیں۔ بس اپنے ہی اعمال پر نظر ہوتی ہے تو اس سے بھی بعض دفعہ عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ پانچواں نفع یہ ہے کہ اختلاط میں بزرگان

دین سے فیض حاصل ہوجاتا ہے۔بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل کرنا دشوار ہے۔اب جو لوگ محقق نہیں ہیں وہ سلف کے کلام میں اختلاط کے منافع دیکھ کر ایک غلطی میں مبتلا ہوگئے۔وہ مطلقاً اختلاط کو عزلت پر ترجیح دینے لگے۔ اور عزلت کی مذمت کرنے لگے۔(تقلیل الاختلاط ص ۳۶)

عزلت میں ایک نفع یہ ہے کہ گناہوں سے اجتناب ہوتا ہے۔بشرطیکہ ایسی عزلت نہ ہو۔کہ تنہائی میں رہ کر روشن دان سے عورتوں کو گھورا کرے بلکہ ایسی عزلت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے۔کان کی بھی حفاظت کرے۔دل کی بھی حفاظت کرے کہ قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے۔اگر آجائے تو ذکر میں مشغول ہو کر اسے دفع کردے۔ایسی عزلت میں واقعی گناہوں سے بہت حفاظت ہوگی اور ظاہر ہے کہ دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت پر۔تو عزلت اختلاط پر مقدم ہے۔کیونکہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ ہی یہ مضرت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہوجاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ اس پر ایک حکایت فرماتے ہیں۔

بزرگے دیدم اندر کوہسارے ۔۔۔ نشستہ از جہاں در کنج غارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی ۔۔۔ کہ بارے بندے از در بکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغزند ۔۔۔ چوگل بسیار شد پیلاں بلغزند

(ایضاً ص ۲۶)

دوسرے اختلاط کے ساتھ قلت کلام بہت دشوار ہے۔یہ کام صدیقین وکاملین کا ہے ورنہ اکثر حالت یہی ہے۔کہ اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنا پڑتی ہیں۔اب اگر یہ دستور العمل رکھا جائے کہ جو شخص بھی ملنے آئے اس کے ساتھ خاطر مدارات و تعظیم و تکریم کا معاملہ کیا جائے اور گھنٹوں باتیں بنائی جائیں تو سارا وقت اسی کا ہو رہے۔اپنا کوئی کام بھی نہ ہوگا۔اور اگر ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا

دوسرے کے ساتھ نہ کیا تو اس کو ناگوار ہوگا اور جس کی تم نے خاطر مدارات کی تھی۔اس کے ساتھ حسد پیدا ہوجائے گا کہ اس کے ساتھ بہت خاطر مدارات ہوتی ہے۔پھر یہ شبہ بھی ہونے لگے گا کہ شاید کسی نے شیخ سے میری شکایت کی ہوگی اسلئے میرے حال پر وہ عنایت نہیں جو دوسروں کے حال پر ہے۔اب گمان ہی گمان پر کسی کی غیبت شروع کردی جس سے دشمنی بڑھ گئی۔دشمنی کے بعد رات دن اس کو اس کی ایذا کی فکر ہے۔اس کو اس کی فکر ہے۔بس اسی کے ہولئے نہ ذکر میں دل لگتا ہے۔نہ نماز میں نہ تلاوت میں نہ کسی کام میں۔ہر وقت فکر سوار ہے۔

تیسرے ضرر کثرت اختلاط کا یہ ہے کہ آپ کے وہ دوست صاحب ہرروز تمہارے پاس موجود ہیں۔دو گھنٹے تین گھنٹے روز ضائع کرتے ہیں۔کسی معمول کو لے کر بیٹھے تھے کہ دوست صاحب آگئے بس معمول تو رخصت ہوا ان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگئے اسی طرح اوقات و اوراد کا بہت ناس ہوتا ہے۔

مگر ایک بات قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ قلت اختلاط سے بھی بعض دفعہ شہرت ہوجاتی ہے۔اور شہرت دنیا و دین دونوں کے لئے مضر ہے۔مگر تجربہ یہ ہے کہ اگر قلت اختلاط اول ہی سے اختیار کرلو۔تو شہرت بھی نہ ہوگی۔کیونکہ لوگوں کی نظر میں یہ حالت کوئی نئی بات نہ ہوگی۔جانیں گے کہ اس شخص کی طبیعت ہی ایسی ہے اور اختلاط کے بعد اگر قلت اختلاط کروگے تو شہرت ہوجائے گی۔کیونکہ لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہوگی۔کہیں گے کہ آج کل فلاں شخص چلہ کشی کررہا ہے گوشہ نشین ہوگیا ہے پھر شہرت کے بعد چین نہ ملے گا۔

اسی زمانہ میں ایک بزرگ نے اختلاط کے بعد جو عزلت حاصل کی تو پہلے سے زیادہ شہرت ہوگئی۔مخلوق کا رجوع زیادہ ہوگیا بڑے پریشان ہوئے ایک دوسرے بزرگ نے ان کو لکھا؂

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی ‏ ‏ ‏ کانگشت نمائے عالمی خواہی شد

یعنی اب کیا گھبراتے ہو جس دن تم چاند بنے تھے۔اس دن تمہیں معلوم نہ تھا کہ چاند انگشت نمائے عالم ہوا کرتا ہے۔اس لئے لازم تھا کہ پہلے ہی سے چاند نہ بنتے یعنی اختلاط کر کے اپنے کو ظاہر نہ کرتے۔

بس شہرت کے طریقے سے بچنا چاہئے۔اور اول ہی سے گمنامی اختیار کرنا چاہئے۔کیونکہ زیادہ شہرت دین و دنیا کیلئے ضرر رساں ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔

خویش را رنجور سازو زار زار　　تا ترا بیروں کنداز اشتہار

کیوں اس لئے کہ۔

اشتہار خلق بند محکم است　　بند ایں از بند آہن کے کم است

انیش گوید نے منم ہمراز تو　　آتش گوید نے منم انبازتو

چو بیند خلق را سرمست خویش　　ازبکری رود از دست خویش

یعنی جب وہ دیکھتا ہے کہ ساری دنیا میری معتقد ہے۔کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی پیر تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔یہ تو دین کا ضرر ہے .... اور دنیا کا ضرر یہ ہے۔

چشمہا وخشمہا ورشکہا　　بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

چنانچہ مشہور آدمی سے عام لوگوں کو بھی حسد اور رشک پیدا ہو جاتا ہے اور کام کی نظر بھی مشہور لوگوں پر زیادہ ہوتی ہے جب کوئی قصہ ہوتا ہے۔تو سب سے پہلے مشہور لوگوں پر آفت آتی ہے۔(ایضاً ص ۵۹)

غرضیکہ جاہ سے دین اور دنیا دونوں کا ضرر ہوتا ہے۔اس لئے عزلت میں ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے جس سے شہرت وجاہ حاصل ہو اور جو بدون طلب کے حاصل ہو وہ مضر نہیں ہوتی۔اس میں خدائے تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے۔اگر لوگ اس پر حسد کریں اور اس کو برا بھلا کہنے لگیں تو حق تعالیٰ اس کے دل کو

قوی کر دیتے ہیں۔ جس سے کوئی اذیت اس کے نزدیک نہیں ہوتی نیز ان مصائب سے جو باطنی ترقی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ اسے قلب پر منکشف فرمادیتے ہیں۔ اور ہر واقعہ کی حکمت پر مطلع فرمادیتے ہیں۔ اب اسے کچھ تکلیف نہیں ہوتی بلکہ خوش ہوتا ہے۔

چوتھے اختلاط میں یہ ضرر ہے کہ اس میں ذکر کا موقع نہیں ملتا اور فکر کا موقعہ تو بہت ہی کم ملتا ہے۔ فکر تو اختلاط میں ہو ہی نہیں سکتا اس کے لئے تو یکسوئی اور تنہائی کی سخت ضرورت ہے اور فکر بہت بڑی چیز ہے حق تعالیٰ نے جہاں ذکر کا بیان فرمایا ہے۔ وہاں فکر کا بھی ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلي جنوبهم ويتفكرون في خلق السموٰات والارض.﴾ یاد رکھو تمام علوم واسرار کا ورود قلب پر فکر ہی کی برکت سے ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ فکر کے بغیر علوم واسرار قلب پر نہیں آتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ورود علوم واسرار کی قابلیت بدون فکر کے حاصل نہیں ہوتی۔ قلب علوم واسرار کے قابل فکر ہی سے ہوتا ہے۔ پھر قابلیت کے بعد بدون فکر کے بھی علوم آنے لگتے ہیں۔

اس وقت یہ حال ہوتا ہے ؎

بني اندر خود علوم انبیاء   بے کتاب وبے معید واوستا

جو شخص عرصہ تک فکر میں مشغول رہ چکتا ہے۔ اس کے بعد اختلاط میں بھی اس کے دل پر اسرار وعلوم منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ بشرطیکہ تھوڑا بہت خلوت کیلئے بھی رکھے۔ اس لئے ہر سالک کے لئے ایک وقت خلوت کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول ہو۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون ہو گا۔ آپ نے بھی اپنے لئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تھے۔ اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول

ہوتے تھے۔ حق تعالیٰ نے قیام لیل کی حکمت یہی بتلائی ہے۔ کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا۔ اسلئے رات کو اٹھنا چاہئے۔ ﴿ان ناشئة الليل هي اشد وطئا واقوم قيلاً. ان لك في النهار سبحا طويلا واذكر اسم ربك وتبتل اليه تبتيلاً﴾ یعنی رات کے اٹھنے میں نفس پر مشقت بھی زیادہ ہے اور بات بھی اچھی طرح زبان سے نکلتی ہے۔ تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے کے بعد نماز وغیرہ میں زبان سے ذکر و قرآن میں سے جو بات نکلتی ہے۔ گویا دل سے نکلتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔ کہ دن میں آپ کو بہت شغل ہے۔ اس لئے رات کو اٹھنا چاہئے۔ اور اس وقت خدا کا ذکر کیجئے۔ اور اسی کی طرف یکسو ہوجائیے۔ یہ خلوت شب تو حضور نے عمر بھر اختیار کی اور نبوت سے پہلے چھ مہینے تک رات دن آپ خلوت میں رہتے تھے۔ اور غار حرا میں جاکر جو مکہ سے فاصلہ پر ہے تنہا رہتے تھے۔

جو لوگ ہر وقت اختلاط میں رہتے ہیں اور باتیں ہی بناتے رہتے ہیں۔ ان کا قلب خالی ہوجاتا ہے۔ اور دل کا خالی ہوجانا بہت ہی برا ہے۔ اس لئے چاہئے کہ ایک وقت خلوت کا ضرور ہو۔ جس میں قلب انوار ذکر و فکر سے پر ہوجائے۔ پھر اختلاط کے وقت علوم و اسرار ظاہر ہونگے اور اختلاط کے بعد پھر خلوت ہونی چاہئے تاکہ اختلاط سے انوار میں جو کمی ہوئی تھی وہ پوری ہوجائے اور جن لوگوں کا کوئی وقت خلوت کیلئے مخصوص نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہوجاتا ہے۔ پھر بجائے علوم و اسرار کے ظلمانی اقوال ان کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

بزرگان دین جلوت میں جو علوم و اسرار بیان کرتے ہیں وہ خلوت میں ان کی تلقی کرتے ہیں اور گو یہ مسئلہ فی نفسہ اختلافی ہے کہ عزلت بہتر ہے یا اختلاط۔

بعض صوفیہ نے اختلاط کو ترجیح دی ہے۔ اور وہ اس کے منافع بیان کرتے ہیں اور عزلت میں مفاسد بتلاتے ہیں۔ بعض نے عزلت کو ترجیح دی ہے اور اس

کے منافع بیان کئے ہیں۔اور اختلاط میں مضرتیں بتاتے ہیں۔جس کا سب سے اچھا فیصلہ حضورﷺ نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔"الوحدة خير من جليس السوء والجليس الصالح خير من الوحدة."یعنی نہ خلوۃ مطلقاً بہتر ہے نہ جلوت بلکہ ملنے والے بد ہوں توان سے علیحدگی اور خلوت ہی بہتر ہے نیک ہوں تو ان سے ملنا خلوت سے بہتر ہے۔لیکن اس میں شک نہیں کہ آج کل جو حالات ہیں وہ مقتضی خلوت ہی کی ترجیح کو ہیں۔(ایضاًص ۶۴ تا ۶۶)

فرمایا کہ فقراء جو خلوت اختیار کرتے ہیں۔تو بعض محققین نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں یہ نیت ہونا چاہئے کہ لوگ ہمارے شر سے محفوظ رہیں۔جس طرح سے مارو کژدم کا لوگوں سے جدا رہنا اسی مصلحت سے مناسب ہے اور یہ نیت نہ ہونا چاہئے کہ ہم دوسروں کے شر سے محفوظ رہیں گے۔کیونکہ اس نیت سے لازم آتا ہے کہ دوسروں کو اپنے سے بدتر جانیں اور یہ تکبر ہے جو فقیری سے بفراسخ بعید ہے۔(مقالات حکمت حصہ چہارم وپنجم ملفوظ نمبر۹)

خلوت وجلوت میں قول فیصل

قول فیصل باب خلوت میں یہ ہے کہ جس شخص کی کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے متعلق ہو نہ دوسروں کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے تعلق ہو۔اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے۔خصوصاً ایام فتن وشرور میں۔یا جبکہ مخالطت کے خلجانات وتشویشات اور ایذاؤں پر صبر کرنے کی متوقع ہمت نہ ہو۔احادیث میں جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہے جیسے حدیث میں ہے "ورجل معتزل في شعب جبل له غنيمة يؤدي حقها ويعبد الله او كما قال" اور جس شخص کو دوسروں سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو۔خواہ دنیوی ہو۔جیسے تحصیل نفقہ عیال جبکہ توکل پر قادر نہ ہو۔خواہ دینی ہو مثل تحصیل علوم ضروریہ اس کیلئے خلوت جائز نہیں۔اسی طرح اگر اسکے

ساتھ خلائق کی حاجت دنیویہ یا دینیہ متعلق ہوں تو بھی خلوت جائز نہیں۔اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ محمول ایسی ہی دونوں حالتوں پر ہے۔جیسے حضرت عثمان بن مظعون ﷺ کو تبتل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیل علوم دین کی حاجت تھی ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی طرف دینی حاجت تھی۔بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ اور ترقی اسلام میں بہت بڑی ضرورت تھی۔یہ تفصیل تو اس خلوت میں ہے۔جس کو بطریق عادت دائمی کے اپنے لئے تجویز واختیار کرے۔ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت مبتدی سلوک کیلئے واقع ہوئی ہے۔اور صحابہ کو اسکی حاجت نہ تھی وجہ یہ کہ مقصود اصلی تو تحصیل نسبت قلبیہ مع اللہ ہے اور وہ بدون یکسوئی قلب کے میسر نہیں ہوتی پس صحابہ کو وجہ وسعت ظرف کے مشاغل جلوت اس یکسوئی سے مانع نہ تھے۔"کما قال اللہ تعالي – لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله ."اور ہم لوگوں کے ظرف اس قدر وسیع نہیں لہٰذا جب تک تعلقات جلوت کی تقلیل نہ کی جائے اس وقت تک یکسوئی جو موقوف علیہ تحصیل نسبت کا ہے حاصل نہیں ہوتی۔اس لئے اس کی ضرورت چند روز کے لئے ہوتی ہے۔حتی کہ جب ملکہ یادداشت راسخ ہوجاوے۔پھر اس تفصیل مذکور میں یہ شخص بھی داخل ہوجاتا ہے۔

(تکشف ص ۹۲)

(۲۲) معنی ذکر وفکر وتصور شیخ ورابطہ وفنا وثمرات آنہا

سوال :ایک سالک کے سوال پر کہ :

خاندان نقشبندیہ میں جو (۱) اول ذکر فکر کے ساتھ بتلایا جاتا ہے۔اور (۲) تصور شیخ اور پھر (۳) رابطہ اور (۴) فنا اور پھر (۵) گم شدنی اسکی تفصیل کی مجھے خاص ضرورت ہے۔جس سے میں ہر ایک بات کو اچھی طرح سمجھ لوں اور پھر ان سے کیا

کیا نفع مرتب ہوتے ہیں۔
کے جواب میں حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا

جواب : یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا البتہ جو ذکر اول بتلایا جاتا ہے وہ اسم ذات ہے۔ لیکن اس قید کیساتھ جو سوال کیا گیا ہے کہ فکر کے ساتھ اس کی تحقیق نہیں اور یوں ہر ذکر کے ساتھ فکر و احضار قلب ضروری ہے۔ البتہ متاخرین مشائخ نے اسم ذات کے ساتھ ہی شغل لطائف کا معمول رکھا ہے۔ متقدمین کے یہاں یہ طریقہ نہ تھا یہ تو اسکی حقیقت ہے۔ باقی نفع ذکر کا ظاہر ہے بلکہ تمام تر منافع اسی کے ثمرات ہیں جس میں اصل نفع وہ ہے جو قرآن مجید میں موعود ہے فاذکرونی اذکرکم، الآیة (التکشف ص ۳۰ طریقت)

نمبر ۲ و نمبر ۳۔ تصور شیخ کا مفہوم عام ہے رابطہ کے مفہوم سے، کیونکہ رابطہ خاص ایک شغل کا نام ہے جس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کرکے نظر قلب سے اسکی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور خیال کو سادھکر دیکھا جاتا ہے۔ فیفرض كانه حاضر ناظر لكن تصور افقط لا اعتقادا فانه شرك ولذا يمنع منه العوام وهذا هو المراد في كلام بعض الاكابر حيث ادخل هذا في عموم قوله تعالي ماهذه التماثيل التي انتم لها عاكفون.

یہ تو حقیقت ہے اسکی۔ اور فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ، جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے، چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے اسلئے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں لکن لما کان ضرره للعوام اكثر من هذا النفع المذكور لم يعتبر هذا النفع في منعهم منه اور تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغۃ مفہوم ہوتی ہے۔ محل اس کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسدہ کا ہجوم ہو اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی اس کا علاج زیادت توجہ الی المذکور سے

کرتا ہے۔اور ہتوسط زیادت توجہ الی الذکر سے 'کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہوجاوے گی حسب قاعدہ فلسفیہ النفس لاتتوجہ الي شيئين في آن واحد۔ دوسری طرف نہ رہے گی اور مبتدی چونکہ غائب یعنی مذکور کی طرف زیادت توجہ کا خوگر نہیں اور ذکر گوامر حسی مشاہد و مسموع ہے اور توجہ دشوار نہیں لیکن اس کے ساتھ انجذاب طبعی نہیں اس لئے وہ جمتا نہیں 'اس سبب سے اس کے لئے تصور شیخ کو نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہوجاتے ہیں مگر بعد اندفاع پھر اس تصور کو نہیں جماتے کہ اشتغال بغیرالمقصود مخل اشتغال بالمقصود ہے۔

نمبر ۴ و نمبر ۵ یہ دونوں لفظ بھی متقارب المعنی ہیں صرف عموم و خصوص ہی کا فرق ہے' فنا عام ہے گم شدن خاص ۔کیونکہ فنا دو قسم ہے فنائے واقعی اور فنائے علمی۔ فنائے واقعی یہ کہ افعال ذمیمہ ملکات ردیہ زائل ہوجاویں مثلاً ظاہری معاصی چھوٹ جاویں 'قلب سے حب غیراللہ حرص وطول امل وکبر وعجب وریا وغیرہ سب نکل جائیں' اس کو فنائے واقعی اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز زائل ہوئی ہے یعنی افعال وملکات ردیہ وہ واقع میں بھی فنا ہوگئے بخلاف دوسری قسم 'اس کو بعضے اصطلاحاً فنائے حسی بعضے فنائے جسمی بھی کہتے ہیں۔اور فنائے علمی یہ کہ غیراللہ اس کے قلب سے مرتبہ علم میں نکل گیا یعنی اس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق علمی نہیں رہا بایں معنی کہ جیسا التفات واستحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا بلکہ ملکہ یادداشت کا راسخ ہوگیا۔اور غیر سے ذہول ہوگیا جیسا محبت مجازیہ میں بھی غلبہ کے وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ محبوب دل میں زیادہ بسا رہتا ہے غیر کی طرف کسی بڑی ہی ضرورت سے توجہ ہوتی ہے۔ورنہ گنجائش نہیں ہوتی پھر اس کے مراتب حسب استعداد سالک مختلف ہوتے ہیں حتی کہ کسی کو استغراق محض ہوجاتا ہے 'کسی پر سکر غالب ہوتا ہے 'کوئی مجذوب محض ہوجاتا ہے 'کوئی پھر

بعض احوال کی تکمیل کے لئے یا دوسروں کی تکمیل کے لئے علم بالاشیاء کی طرف عود کرایا جاتا ہے مگر ابتداء کے علم بالاشیاء سے یہ علم بالاشیاء کماً و کیفاً و غایةً مختلف ہوتا ہے۔اس حالت کو بقاء کہتے ہیں جیسا کہ قسم اول میں بھی عین فنا کے وقت فانی کے اضداد کے حصول کا نام بقاء ہے اس قسم ثانی کو فناء علمی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو چیز اس کے تعلق علمی سے خارج ہوگئی وہ واقع میں فانی ومعدوم نہیں ہوئی۔مثلاً ہم کو زید کا خیال نہ آیا تو واقع میں زید معدوم تو نہیں ہوا فنا کی اس دوسری قسم کا نام گم شدنی ہے پس مطلق فنا مقسم اور عام ہے اور گم شدنی اس کی ایک قسم اور خاص ہے۔

فائدہ قسم اول کا ظاہر ہے کہ ترک ہے مضرات شرعیہ کا۔جس کو تقوی کہنا چاہئے۔اور قسم ثانی کا فائدہ یہ ہے کہ یہی علم بالاشیاء بعض اوقات مفضی الی المعاصی ہوجاتا ہے۔پس اسباب بعیدہ سے بچنا کمال ہے تقوی کا۔

التماس : میں نے کسی خاص جگہ سے نقل نہیں کیا بلکہ کچھ کتابی نظر سے کچھ صحبت شیخ سے کچھ ذوق سے لکھ دیا ہے شاید کسی جگہ اس سے کافی تر ملجاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۳) بدلیعہ ترجیح استفادہ از شیخ زندہ بر اہل قبور

باطنی نفع زندہ شیخ سے زیادہ ہوتا ہے بالخصوص جس کا سلوک کامل نہ ہوا ہو۔کیونکہ وہ بولنے پر قادر ہے ہر امر کو مفصل بتلاسکتا ہے اور اس کے بیان سے اپنے حالات واردات کا ایہام دفع ہوجاتا ہے۔بخلاف میت کے کہ صرف تقویت نسبت کا فائدہ تو اس سے ہوتا ہے مگر تعلیم وتلقین جو مدار اعظم ہے مفقود ہے۔ اور اگر خرق عادت کے طور پر کبھی تکلم کا اتفاق بھی ہوجاوے تب بھی یہ تفصیل اور بسط کہاں نصیب ہے۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تقریر بہ نسبت تحریر

کے زیادہ انفع ہے۔کیونکہ تحریر میں بہت تفاصیل ضبط نہیں ہوسکتیں۔پس شیخ کے حضور میں استفادہ افضل ہے غیبت میں خط وکتابت کرنے سے۔

اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہاں علم قال کو ترجیح دی جارہی ہے اور پہلے مرجوح فرما آئے ہیں۔جواب یہ ہے کہ مرجوح قال ہے غیر اہل حال کا اور راجح قال ہے صاحب حال کا طالب کے لئے۔کیونکہ اس کے قال میں دونوں امر یعنی قال وحال مجتمع ہیں اور ظاہر ہے۔ الاثنان خیر من الواحد (ترجمہ) ایک سے دو بہتر ہیں۔

لیکن یہ حجاب التفات اولی الی الذات سے مانع نہیں۔گو یہ التفات اجمالی ہی ہو۔مبہم ہی ہو۔مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں۔وہ ذات کی طرف التفات اولی ہی سے مانع ہیں۔یہ فرق ہے دونوں میں۔اور یہاں سے معلوم ہوگیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں۔ بلکہ ان کی طرف التفات کی نفی ہے۔(تحصیل المرام ص ۱۸)

لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق

میں لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں۔تاکہ ذاکرین دھوکہ سے بچتے رہیں اور حظوظ نفس کے طالب نہ ہوں۔یادرکھو ذکر وشغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں۔ کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔وہ غلبہ کے ساتھ وارد نہیں ہوتیں اور ان کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماً ان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور کیفیات نفسانیہ کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے۔گو یہ اس میں مجبور ومعذور ہو۔مگر یہ کیفیت مطلوب ومقصود نہیں اور نہ ان کے لئے بقاء ہے۔بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔

کیفیت روحانیہ اور لذت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ جعلت قرۃ عیني في الصلوۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے۔ جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ مگر اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اور اطمینان سے ادا کرے۔ جلدی نہ کرے اور کوئی چیز اس کو نماز سے مشغول نہ کرے یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔ اور بدون نماز کے قلب کو چین نہ ملے۔ وقت آتے ہی نماز کیلئے دل بے چین ہو جائے۔ اسی کو خلوص اور احسان کہتے ہیں۔ یہ ہیں کیفیات روحانیہ۔ بخلاف ان کیفیات کے جو سالکین کو وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اور استغراق وغیرہ' ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔ سو یہ کیفیات مقصود نہیں۔ اور جس کو خلوص حاصل ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے وساوس آتے ہوں اس حالت میں بھی۔ اس کا طالب لذت و محویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ   پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(کوثر العلوم ص ۶)

(۲۴) امور آخرت کا مراقبہ

احوال جو معین آخرت ہیں دوسرے وہ جو مضر آخرت ہیں۔

ایک وعظ کے سلسلہ میں فرمایا:

ایک مراقبہ کی تعلیم کی گئی القاء کے طور پر تو جی چاہا کہ اپنے بھائیوں کو بھی بتلا دیا جائے' اس وقت جو حالت میرے اوپر غالب تھی ویسی تو اب نہیں رہی مگر خدا تعالیٰ کی ناشکری کیوں کروں بحمد اللہ اب بھی بہت بڑا اثر قلب پر ہے' وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں (یا کرنے

والے ہیں) یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ہے۔اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہروقت اس کا وقت ہے' چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہواور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی اور رنج وغصہ میں بھی کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔اسکے بعد آپ سے ان شاءاللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہو گااور اگر بالفرض صادر ہوابھی تو آپ اس وقت بیدار گنہگار ہوں گے سرکش وغافل گنہگار نہ ہوں گے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبہ ہوجائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا اس سے دل پر ایک ایسا چرکہ لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ واستغفار کو دل چاہتا ہے۔

شاید یہاں کوئی ذہین بیٹھے ہوں اور وہ اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ یہ تو اور بھی برا ہوا کہ جان کر گناہ کیا تو اس وقت یہ شخص وَیْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً وَلِلْعَالِمِ سَبْعِیْنَ مَرَّةً (جاہل کے لئے ایک خرابی جاننے والے کے لئے ستر خرابیاں) کا مصداق ہوجائے گا تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا یہ کس نے کہا ہے کہ مطلقاً اشد ہے بلکہ علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرات بھی ہو۔ورنہ اگر جرات نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں اور اس مراقبہ کے ساتھ جرات تو کبھی ہوسکتی ہی نہیں۔تو اب یہ شخص بیدار گنہگار ہو گا کہ معصیت کو معصیت جانے گا غافل نہ ہو گا کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں نے کوئی گناہ کا بھی کام کیا ہے یا نہیں۔اور اس بیداری کا نتیجہ یہ ہو گا کہ معصیت کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوئی ہوگی اور حضرت خشیت اور معصیت اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو گو وہ خشیت کامل نہ ہوگی۔مگر اس کے ساتھ معصیت بھی کامل نہ رہے گی۔یہ خشیت ایسی چیز ہے کہ معصیت اس کے ساتھ کامل نہیں ہوسکتی اگر کامل خشیت ہے جب تو گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتااور اگر ناقص خشیت ہے تو اس کی وجہ سے معصیت بھی ناقص ہوجاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی میں

تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا دو تو گو اس سے ٹھنڈا نہ ہو جائے گا مگر ویسا گرم بھی نہ رہے گا تو خشیت کے ساتھ معصیت کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس وقت آپ اگر غیبت بھی کریں گے تو دل کو حظ حاصل نہ ہو گا زبان سے غیبت کریں گے اور دل میں جوتے پڑتے ہوں گے کہ ہائے یہ میں نے کیا کیا۔ تو یہ تھوڑا نفع ہے اس مراقبہ کا' اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ اس مراقبہ کے بعد آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہو گا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر صدور ہو گا تو خشیت کے ساتھ ہو گا۔

اور اس مضمون کے اظہار میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کسی کو تجربہ ہوا ہو کہ خشیت کے ساتھ بھی گناہ ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت مولویوں کو جھوٹا کہتا ہو کہ یہ مولوی بھی بے پر کی باتیں اڑایا کرتے ہیں کہ خشیت و خوف دل میں پیدا ہو جانے سے گناہ نہیں ہوتے حالانکہ ہم نے تو آیات وعید و احادیث عقاب کا بہت مطالعہ کیا اور ان سے خوف بھی پیدا ہوا مگر پھر بھی گناہ موقوف نہیں ہوتے اس مضمون کو سن کر مولویوں کو جھوٹا نہ کہیں گے کیونکہ جیسا ان کو خشیت کے ساتھ گناہ صادر ہونے کا تجربہ ہوا ہو گا اس کے ساتھ یہ بھی تجربہ ہوا ہو گا کہ گناہ کے وقت دل میں ایک خلش بھی ساتھ ساتھ موجود تھی جس نے معصیت کو بھی ضعیف بنا کر گناہ بے لذت میں داخل کر دیا تھا تو صاحب جیسی خشیت آپ کو حاصل ہوئی تھی ویسا ہی اس نے اثر بھی کیا وہ بیکار تو نہ ہوئی پھر اب مولویوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں۔

"خشیت کے درجات"

بات یہ ہے کہ خشیت کے تین درجے ہیں۔ ایک خشیت اعتقادی یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف و رجا کا پس اس درجہ سے تو

کوئی مسلمان خالی نہیں۔ مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ استحضار خشیت کی بھی ضرورت ہے یہ دوسری قسم ہے۔ پھر استحضار کے دو درجے ہیں ایک استحضار کامل دوسرے استحضار ناقص۔ استحضار کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہوسکتی مگر ہم لوگوں کو استحضار کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کیلئے مشق کی ضرورت ہے پہلے آپ استحضار ناقص ہی کیجئے اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہوگا مگر تقلیل ضرور ہوجائے گی اور وہی کیفیت ہوگی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خشیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی اور معاً توبہ واستغفار کی توفیق ہوگی وہ حالت نہ رہے گی جو پہلے تھی کہ گناہ کرکے دل پر جوں بھی نہ رینگتی تھی پھر اسی حالت پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے ان شاءاللہ تعالیٰ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہوجائیں گے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ شاید کوئی شخص اس مراقبہ پر عمل کرے اور ترک معاصی میں پوری کامیابی نہ ہو تو مایوس ہوجائے۔ تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ان حضرات کو سمجھ لینا چاہئے کہ دو چار روز کی مشق سے استاد مشاق نہیں بنا کرتے بلکہ استاد بننے کے لئے عرصہ تک مشق کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

جیسے خوشنویسی حاصل ہوجاتی ہے چند روز کی کوشش سے مگر استاد بننے کے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قرآن حفظ کرلینا تو چند روز کا کام ہے مگر اس کا قابو میں آجانا ایک مدت چاہتا ہے۔ پھر ان کاموں میں کمال حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے سب کو معلوم ہے کہ کام میں لگا رہنا اور مشق کا جاری رکھنا ہی اس کا طریقہ ہے پس یہی طریق عمل اس مراقبہ میں بھی جاری رکھئے چند روز میں کامیابی نہ ہو تو گھبراؤ نہیں ناامید نہ ہو۔

ناامیدی را خدا گردن زدہ است (ناامیدی کی خدا نے گردن ماردی ہے)

مولانا فرماتے ہیں ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو بلکہ امیدیں رکھو)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

اندریں رہ میتراش و می خراش　　تا دم آخردم فارغ مباش

(اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور آخری وقت ایک لحظہ بھی فارغ مت رہو)

یعنی یہ ایک دن کا کام نہیں ساری عمر کا کام ہے لگے رہو کوشش کرتے رہو ان شاء اللہ ایک دن کامیاب ہوگے اور یہ حال ہوگا ؎

تا دمے آخر دمے آخر بود　　کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(آخر وقت تو کوئی گھڑی آخر ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز و رفیق بن جائے گی)

اور یہ حال ہوگا ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(یوسف گم شدہ کنعان میں واپس آجائے غم مت کھا غموں کا تنگ و تاریک گھر کسی دن گلستاں ہوجائے گا غم مت کر)

ان شاء اللہ ایک دن یہ غم ختم ہوجاوے گا اور کامیابی سے دل مسرور ہوگا (رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِیَّاکُمُ الْوُصُوْلَ اِلَیْہِ اٰمِیْن. (۱۲ جامع) (اللہ تعالیٰ

ہم اور تم کو وصول الی اللہ نصیب فرمائیں)

میں دعوے سے نہیں کہتا خدا کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ اس مراقبہ کو جاری رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور کامیاب ہوگے (وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا) جو لوگ ہماری راہ میں ہمیشہ مشقتیں برداشت کرتے ہیں ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیں گے۔ وعدہ الٰہی ہے ۱۲ جامع) پس ہر کام پر اس حیثیت سے نظر کرو کہ یہ معین فی المقصود ہے یا مضر۔ پھر جو معین ہو اس کو اختیار کرو اور جو مضر ہو اس کو ترک کر دو۔

میں کوشش کرتا ہوں کہ جو بات میرے دل میں ہے وہ سامعین کے دل میں ڈال دوں، مگر کیونکر ڈال دوں یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور الفاظ اس کے لئے کافی نہیں اور یہ ان لوگوں کے اعتبار سے کہتا ہوں جن کے دل میں یہ وارد پہلے سے نہ ہو اور جو پہلے سے اس کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اشارہ ہی سے سمجھ گئے ہوں گے مگر جو بات دل میں نہ پہنچائی جاسکے کم از کم اس کو کانوں میں تو ڈال دیا جاوے شاید کسی وقت ذوق حاصل ہو تو یہ کان میں پڑی ہوئی بات کام آئے گی اور چونکہ طویل مضمون یاد نہیں رہا کرتا اس لئے میں خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر کام سے پہلے اتنا سوچ لیا کرو کہ یہ نجات آخرت میں معین ہے یا نجات سے مانع ہے اور اس کا استحضار ہر کام میں رکھو خواہ مباح ہو یا فرض و واجب یا اور کچھ۔

اور اسی غرض کے لئے میں نے اس وعظ کا نام (الاسعاد والابعاد تجویز کیا ہے۔ اسعاد کے معنی ہیں اعانت اور ابعاد کے معنی ہیں تنحیہ یعنی دور کرنا۔ کذا فی القاموس) تو یہ نام آپ کو اس مراقبہ کی یاد دہانی کرائے گا کیونکہ وہ مراقبہ بھی اسی بات کا ہے کہ کونسا کام مقصود آخرت میں معین ہے اور کونسا مقصود سے دور کرنے والا ہے۔

(۲۵) توجہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے

شیخ کا خیال باندھنا اس قصد سے کہ شیخ کے واردات اس کے وارد ات ہوجائیں۔ یہ مباح ہے اور یہی تصور مستقل شغل ہے۔ صوفیہ کے نزدیک اسی کو رابطہ کہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میری طبیعت اس سے نفور ہے۔ اور وہ نفرت ایسی ہے جیسے بعض کو اوجھڑی سے نفرت ہوتی ہے۔ جس کو کراہت طبعی سمجھئے۔ اور وجہ نفرت یہ ہے کہ اس تصور میں بالکل مستغرق ہوجانا پڑتا ہے۔ تو اس سے طبیعت منقبض ہوتی ہے۔ کہ مخلوق کی طرف ایسی توجہ مستغرق ہو جس کے ساتھ دوسری توجہ جمع نہ ہوسکے۔ ایسی وجہ خاص حق ہے اللہ تعالیٰ کا۔

ذکر اور اس کے متعلقات

فرمایا ذکر دائم مقصود ہے جس کو جو کچھ ملا ذکر اللہ واتباع سنت سے ملا۔ طرق ذکر کی تحقیقات وتقلیدات ضروری نہیں۔ رائے شیخ سے اس میں تبدل ہوسکتا ہے۔ نسبت مع اللہ ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ یہ طرق ومجاہدات خاصہ معالجات نفس کے درجے میں ہیں۔ پس چاروں خاندانوں (سلسلوں) کا حاصل ایک ہی ہوا۔ اور ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب قبلہ چاروں خاندانوں میں اس وجہ سے بیعت فرمالیتے تھے کہ پھر کسی خاندان (سلسلہ) پر اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ حضرت میں ایک جامعیت کی شان تھی۔ (مقالات حصہ اول ملفوظ نمبر ۹۴)' (اشرف المسائل ص ۵۰)

فرمایا تجلی ذاتی منتہائے احوال میں سے ہے مقاصد ومقامات میں سے نہیں۔ مقصود رضاء حق ہے۔ ذکر رضاء کیلئے ہونا چاہئے اور زیادہ کیفیات کے

درپے نہ ہونا چاہئے۔ فاذکرونی اذکرکم ارشاد ہے۔پس ذکر حق پر ثمرۂ مقصود یہی ہے کہ وہ ہمارا ذکر کریں۔رحمت ورضاء سے حالات کے درپے ہونا۔ خلاف شان طلب ہے کیونکہ حالات کا طالب خدا کا طالب کہاں ہے۔ ذکر دائم یعنی یادداشت ہونا چاہئے۔

زیادہ مجاہدوں پر قرب کا مدار نہیں۔نہ یہ معیار کمال ہے بلکہ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جس کے لغوی معنی نیکو کردن عبادت ہے اور جس کی تفسیر اخلاص سے کی گئی ہے اور حقیقت اسکی ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں " الاحسان ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك یعنی تعبد اللہ مشابھا بانك تراہ "مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اس کو دیکھتے ہوتے۔کیونکہ تم اس کو اگر نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔اوراس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمہاری دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تم کو دیکھنا یقینی ہے۔ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سڑک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لے تو اس وقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود نظر نہ آئے مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہوجائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے۔تو اس وقت بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی۔

اور مسلمانوں کیلئے خدا اور رسول کے ارشاد سے بڑھ کر کیا چیز ہوسکتی ہے جب قرآن وحدیث میں اسکی تصریح ہوچکی کہ حق تعالیٰ بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ کو دیکھ کر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہونا یہ ہے کہ ظاہراً ارکان اس کے مکمل ہوں گے۔اور باطناً اس میں ریا وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آسکتا۔اس وقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی۔

دوسروں کی تو کیا خبر ہوتی جن کو عمل دکھلانے کا خیال ہو۔(اشرف المسائل ص ۴۲)

بعض دفعہ مجاہدہ کر کے سالک یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ سے کبر زائل ہو گیا۔ اس نے جو ریاضت و مجاہدات میں ترک لذات کیا ہے وہ بطور علاج کیا ہے جیسے کوئی ظاہری مریض بطور پرہیز کے کوئی قوی غذا چھوڑ دیتا ہے کہ مضر ہوگی۔ اس کو عبادت و موجب قرب الٰہی نہیں سمجھتا۔اب ان پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ یہ بدعت ہے قال اللہ تعالٰی ﴿لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا﴾ کیونکہ بدعت اس وقت ہے۔جب بطور تقرب ہو ورنہ خود ابن عباس ﷺ کی روایت ہے۔ من الاسراف ان تاکل ما اشتھیت۔۔پس مقصود ان حضرات کا یہ تھا کہ تکثیر لذات سے نفس کی قوت بہیمیہ کو غلبہ ہوتا ہے اور طاعات میں سستی و کاہلی یا معاصی کا تقاضا ہونے لگتا ہے۔بعض اوقات اس وجہ سے بھی لذات متروک ہو جاتی ہیں۔کہ غلبہ محبت الٰہی میں لذات کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا سو یہ ترک غیر اختیاری ہے۔نہ سنت نہ بدعت (التکشف ص ۶۴)

ریاضت سے اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا۔بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا امالہ ہو جاتا ہے یعنی ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے۔مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے۔بلکہ تہذیب اس طرح ہو جاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگان نیک پر غصہ کرتا تھا۔اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا۔تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بن گئے۔اور اس سے اس اختلاف کا فیصلہ ہو گیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہوسکتی ہے یا نہیں۔اس سے معلوم ہو گیا کہ تبدیل اصول تو نہیں ہوسکتی۔ حدیث میں ہے "اذا سمعتم برجل زال عن جبلة فلا تصدقوہ" اور تبدیل آثار و مصارف ہوسکتی ہے۔اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔(التکشف ایضاً

ص ۹۷)(اشرف المسائل ص ۴۴)

اس میں شک نہیں کہ ریاضت و مجاہدہ کی بدولت حیات روحانی حاصل ہوتی ہے۔اور اس طریقہ کی قید بندہ کیلئے ہے۔اس کو کوشش کرنا چاہئے۔حق تعالیٰ اس طریقہ کے مقید نہیں۔وہ قادر ہیں اور کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں کہ بدون ریاضت و مجاہدات محض اپنے فضل سے دولت باطنی و حیات روحانی عطا فرمادیتے ہیں۔وہ بیچون وچگون ہیں۔

توجہ کیساتھ اللہ اللہ کیا کیجئے۔اور اس میں وساوس کے آنے کا اندیشہ نہ کیجئے۔آپ اللہ اللہ کی طرف نگاہ خواہ لکھا ہوا سامنے رکھئے۔چاہے لکھا ہوا فرض کر لیجئے کہ میں اسے لکھے ہوئے کو دیکھ رہا ہوں اور پڑھ رہا ہوں۔یا ارادہ کے ساتھ ادا کیجئے۔محض یاد سے نہیں کہ دھیان اور طرف ہو۔اور لفظ اللہ زبان پر ہو بلکہ دل سے سوچ سوچ کے زبان پر لائیے۔پھر ادھر توجہ رکھنے کی حالت میں وساوس خود بخود دفع ہو جاویں گے۔اور اگر نہ بھی دفع ہوں تو کچھ مضر نہیں۔اور اگر آپ یہ چاہیں کہ خطرات میں بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہو۔تو اس کا بھی طریقہ ہمارے حضرت قدس سرہ نے بتایا ہے کہ یہ سوچے کہ سبحان اللہ کیا قدرت ہے حق تعالیٰ کی کہ قلب میں بھی دریا سی موجیں پیدا کر دیں۔تو پھر وہ سارے خطرات آئینہ جمال الٰہی بن جاویں گے۔شیطان نے تو جال پھیلایا تھا حق سے دور کرنے کیلئے مگر اہل اللہ نے اس پر کیسا صیقل کر دیا کہ وہ اپنی سلیٹ کوری لیکر چلا گیا۔اگر اب وہ دوبارہ آویگا بھی تو لیٹ ہو کے آویگا مگر کہیں اس اطمینان پر آپ نہ لیٹ رہیں۔(اسرار العبادہ ص ۵۰' وساوس۔اشرف المسائل ص ۱۶۲)

فرمایا کہ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے اندر سے پیدا ہو رہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ شیطان خارج سے ان خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے۔

جیسے کسی کوٹھری میں غلہ بھرا ہو تو یہ بات نہیں ہے کہ وہ غلہ کوٹھری کے

اندر سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پیدا تو کھیت میں ہوا ہے وہاں سے لاکر کوٹھری میں بھر دیا گیا ہے اھ۔

یہ تو حضرت والا نے خطرات کے وارد علی القلب ہونے کے متعلق تحقیق بیان فرمائی اور بعد ورود ان کے واقع فی داخل القلب ہونے کے متعلق فرمایا۔

کہ اگرچہ بادی النظر میں ایسا متوہم ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے تہہ میں گھسے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہوتی۔ خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں متوہم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں ہوتے بلکہ ان کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدہ راسخہ ہوا کرتا ہے۔ (کما یفهم من قوله تعالٰي ولما یدخل الایمان في قلوبکم) نہ کہ خطرہ جو ایک محض وہمی اور سطحی چیز ہے اور کچھ بھی نہیں (کما یفهم من قوله علیه السلام ان الشیطان جاثم علٰي قلب ابن اٰدم فاذا ذکر اللہ خنس و اذا غفل وسوس — الحدیث و انظر في التفاوت بین کلمة في و کلمة علٰي)

پھر فرمایا کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ پر مکھی بیٹھی ہو تو بوجہ اس کے کہ اس کا عکس آئینہ کے اندر پڑ رہا ہے وہ آئینہ کے اندر بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ہوتی ہے آئینہ کے اوپر اور جو چیز آئینہ کے اندر نظر آ رہی ہے وہ مکھی نہیں ہے بلکہ مکھی کا محض عکس ہے جس سے آئینہ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۵)

فرمایا۔ کہ شیطان اسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے جیسے چور اسی گھر میں نقب لگاتا ہے جس میں دولت ہوتی ہے۔ لہٰذا خطرات پر بجائے مغموم ہونے کے عقلاً خوش ہونا چاہئے کیونکہ شیطان کا قلب میں وسوسے ڈالنا قلب کے اندر دولت ایمان ہونے کی علامت ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بشارت وارد ہے ذاك صریح الایمان جب سالک خوش ہو گا تو شیطان مایوس ہو

کر وسوسے ڈالنا ہی چھوڑ دے گا۔

اگر یہ شبہ ہو کہ گو ارادہ وخلق خداوندی میں کوئی قباحت نہیں لازم آئی مگر بندہ کا غیر مختار ہونا تو لازم آگیا تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ ارادہ خداوندی خاص اس طریق سے متعلق ہوا ہے کہ بندہ باختیار خود یہ فعل کرے گا۔ سو اختیار عبد تو زیادہ موکدہ ثابت الوجود ہو گیا۔ یہ نہیں کہ مسلوب ومعدوم ہو گیا ہو۔ جیسا خود ارادہ خداوندی افعال خداوندی کے ساتھ یقیناً متعلق ہے اور پھر بھی باتفاق اہل ملت اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں غیر مختار نہیں ہے۔ پس بفضلہ تعالیٰ سب اشکالات متعلق تقدیر کے رفع دفع ہو گئے مگر فہم وانصاف وطلب حق شرط ہے۔

یہ تفصیل اس شخص کی رعایت سے لکھی گئی ہے۔ جس کو از خود شبہ ہو جاوے ورنہ خالی الذہن کے لئے اس تفصیل کی حاجت نہیں۔

اسی طرح اس تفصیل کے بعد بھی جس کو وسوسہ آوے اس کو بھی آگے تفتیش جائز نہیں بلکہ ان دونوں قسم کے شخصوں کیلئے اجمالاً اس قدر اعتقاد کر لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور مالک کو بحیثیت مالک ہونے کے اپنے ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار کامل حاصل ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی قطعہ زمین میں کوئی مکان بنائے جس میں مختلف درجات ہوں کسی حصہ میں اپنی نشست گاہ بنائے جس کو ہزاروں آلات وفروش سے آراستہ کرے۔ دوسرے حصہ میں پاخانہ بنادے جہاں سینکڑوں من نجاست روز مرہ ڈالی جائے۔ پاخانہ یہ سوال نہیں کرتا کہ میں نے کیا جرم کیا تھا جو اس سزا کا مستحق ہوا۔ اور فلاں حصہ زمین نے کیا انعام کا کام کیا تھا جو اس عنایت کا مورد بنا۔ ہر عاقل اس سوال کا جواب یہی دے گا کہ مالک کو اختیار ہے۔ (البدائع ص ۶۴ تا ۶۶)

خطرات پر عقلاً خوش ہونے سے قلب میں قوت پیدا ہوگی اور پھر یہ قوت بھی خود معین ہو جائے گی دفع خطرات میں۔ اور جب خطرات دفع ہو جائیں گے تو پھر طبعی غم بھی جاتا رہے گا۔ اس طرح عقلی مسرت طبعی مسرت کا بھی سبب

ہو جائے گی۔

احقر مولف عرض کرتا ہے کہ اس کا مجھ کو بھی ذاتی تجربہ ہو چکا ہے کہ خطرات پر مغموم ہونے سے قلب میں سخت ضعف عارض ہو جاتا ہے جس سے خطرات کا اور زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور سخت اذیت پہنچتی ہے۔ اور اس امر کا عقلی اطمینان ہو جانے کے بعد کہ یہ خطرات نعوذ باللہ سوء اعتقاد سے ناشی نہیں ہیں بفضلہ تعالیٰ فوراً سکون طبعی بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس اطمینان کے بعد پھر ان خطرات کا پورا اندفاع ورنہ کم از کم تقلیل ضرور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں بوجہ تبخیر احقر کے قلب و دماغ میں خطرات داہیہ کا سخت ہجوم تھا جس سے شدید غم و حزن طاری رہتا تھا۔ میرے استاد مکرم جناب مولانا سراج احمد صاحب سے بہ سلسلہ گفتگو جو ذکر آیا تو انہوں نے خود اپنے تجربہ کی بناء پر میرے احتمال تبخیر کی بہت قوت کے ساتھ تائید کی اور فرمایا کہ یہ حالت یقیناً تبخیر ہی کی وجہ سے ہے اور اس کی طبی اصول پر اس طرح تقریر فرمائی کہ مجھ کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ ان خطرات کا سبب واقعی تبخیر ہی ہے نعوذ باللہ سوء اعتقاد نہیں بس اس کا یقین ہونا تھا کہ قلب کی تشویش فوراً دفع ہو گئی اور اسی وقت سے انقباض طبعی مبدل بہ انشراح و انبساط ہو گیا۔ پھر اس انبساط سے قلب کو قوت پہنچی جس نے تبخیر ہی کو دفع کر دیا کیونکہ غم بھی اکثر موجب تبخیر ہو جایا کرتا ہے۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۶)

غرض کبھی عوارض طبیہ سے بھی خطرات کا ہجوم ہونے لگتا ہے بالخصوص ضعف قلب و دماغ۔ اور اس تبخیر سے جس کو اصطلاح طب میں دخان مراق سے تعبیر کرتے ہیں جس سے فساد متخیلہ عارض ہو کر انسان اوہام باطلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی خطرات کے غم سے بھی عوارض طبیہ لاحق ہو جاتے ہیں جو موجب ہو جاتے ہیں ازدیاد خطرات کے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کبھی عوارض سبب ہوتے ہیں اور خطرات مسبب اور کبھی خطرات سبب ہوتے ہیں اور عوارض طبیہ مسبب۔ ایسی حالتوں میں طبیب

جسمانی سے بھی رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت والا اکثر اہل ابتلاء کو یہ بھی مشورہ دیا کرتے ہیں۔ لیکن فرمایا کرتے ہیں کہ خطرات غیر اختیاریہ خواہ کسی سبب سے ہوں نہ موجب مواخذہ ہیں نہ قابل اندیشہ و غم۔ گو طبعی حزن و غم مذموم نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے لیکن عقلاً بے فکری کو بہرحال غالب رکھنا چاہئے تاکہ وہ حزن طبعی مضمحل ہو جائے اور موجب پریشانی نہ ہو۔

سالک کی اگر اپنی حالت اللہ تعالیٰ کی محبت کے قابل نہ بھی ہو تب بھی حسب بشارت انا عند ظن عبدي بي یہی نیک گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے اور محبت حق کے آثار بھی موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بنایا اور دین کی فکر عطا فرمائی۔ اور خطرات منکرہ پر طبعی غم نصیب فرمایا جو صریح علامت ہے ایمان کی۔ اس مراقبہ محبت میں علاوہ اور منافع باطنیہ کے یہ بھی بڑا نفع ہے کہ یہ مراقبہ خطرات کے دفع کا نہایت قوی الاثر اور مجرب بلکہ ضروری علاج ہے کیونکہ خطرات منکرہ کی بناء پر سالک کو بوجہ غایت خشیت و ناواقفی اس حالت پر بعد کا اور اپنے اوپر مبغوض عند اللہ ہونے کا وہم ہو جاتا ہے جو درحقیقت خلاف واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا بقاعدہ العلاج بالضد اس وہم کا علاج محبوب عند اللہ ہونے کا مراقبہ ہے جو ایسی حالت میں مطابق حقیقت کے بھی ہے کیونکہ خطرات مومنین ومقبولین ہی کو پیش آتے ہیں۔ کافرین و مردودین کو پیش نہیں آتے۔

جس کا سبب یہ ہے کہ شیطان کافرین و مردودین کی جانب سے تو مطمئن رہتا ہے کیونکہ وہ تو گمراہی میں اسکا کامل اتباع کر ہی رہے ہیں۔ اور جب ایسے ضرر عظیم میں ان کو مبتلا کر رکھا ہے تو اس کو ضرورت ہی کیا ہے کہ پھر خطرات میں جو مطلق مضر دین ہیں ان کو مبتلا کرے (اور یہی مضمون اختصار کے ساتھ عنقریب جزو سوم میں بسلسلہ احادیث بضمن شرح حدیث ذاك صريح الايمان امام نووی" سے عبارت وقيل معناه آلخ میں منقول ہوگا) البتہ مومنین ومقبولین کے درپے رہتا ہے کہ اگر ہو سکے تو ان کو خطرات کے ذریعہ سے گمراہ کرے ورنہ کم از کم

پریشان ہی کرے۔ لہٰذا اس کی خواہش کو ہرگز پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی خطرات منکرہ کو عقلاً منکر سمجھا جائے اور اپنے اختیار کو ان سے ہرگز متعلق نہ ہونے دیا جائے نہ حدوثاً نہ بقاءً نہ ان کے مقتضاء پر عمل کی نوبت آنے دی جائے۔ اور بجائے مغموم ہونے کے خطرات کو علامت ایمان سمجھ کر اسپر عقلاً مطمئن اور مسرور رہے کہ بحمد اللہ میرے عقائد تو صحیح ہیں۔ اور اسی جزو دوم کے حصہ اول کے فقرہ (د) میں جو حضرت والا کا ارقام فرمایا ہوا دستور العمل ہے اس کو اپنا معمول بنا کر بے فکری اور اطمینان کے ساتھ اپنے کو ذکر و طاعۃ اور ضروریات دینیہ و دنیویہ میں بلا لحاظ دلچسپی وعدم دلچسپی مشغول رکھا جائے۔ بلکہ حسب تحقیق حضرت والا امور مباحہ کا بھی قدرے شغل رکھا جائے کہ وہ بھی وقایہ ہو جاتے ہیں خطرات منکرہ کا۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۷)

فرمایا کہ خطرات کو دفع کرنے کے ہرگز درپے نہ ہونا چاہئے ورنہ وہ اور زیادہ ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جتنا اس سے ڈر کر بھاگا جائے اتنا ہی وہ اور زیادہ بھونکتا ہے۔

مصائب کی علل سمجھنے میں اسباب پرستوں کی کوتاہ نظری

اور اگر کچھ تنبہ ہوتا ہے تو اس سے احتراز کی تدابیر سوچتے ہیں اور صرف اسباب ظاہری پر نظر کرتے ہیں سبب اصلی کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اور کہو کہ جو مصیبت آتی ہے گناہوں ہی کی وجہ سے آتی ہے۔ ہوا آگ پانی وغیرہ سب خداوند کریم کے حکم کے تابع ہیں ان کو جب حکم ہوتا ہے اور جیسا حکم ہوتا ہے ویسا ہی وہ کرتے ہیں۔

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند　　　　با من و تو مردہ باحق زندہ اند

یہ ہمارے سامنے مردہ معلوم ہوتے ہیں ورنہ واقع میں سب زندہ

اور تابع فرمان ہیں۔

حکایت: ایک کافر بادشاہ نے بہت سے مسلمانوں کو آگ میں ڈال دیا تھا کیونکہ وہ لوگ بت کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے آخر ایک عورت کو لایا گیا اور اس نے بھی سجدہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے بھی انکار کیا اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی گود سے بچہ لیکر آگ میں پھینک دو چنانچہ پھینک دیا گیا قریب تھا کہ وہ عورت سجدہ کرلے کہ لڑکے نے آواز دی۔

اندر آما در کہ من اینجا خوشم گرچہ درظاہر میان آتشم

اس کے بعد اس بچہ نے اور لوگوں سے بھی خطاب کرنا شروع کیا کہ یہاں آؤ یہاں آؤ بہت بڑا عجیب باغ ہے پھر تو یہ حالت ہوئی کہ لوگ بے قرار ہو کر اس میں کودنے لگے سپاہی روکتے تھے مگر لوگ برابر آگ میں کودتے تھے۔ جب بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو آگ کو خطاب کرکے کہا کہ اے آگ کیا تو آگ نہیں رہی یا تجھ میں سے جلانیکی قوت سلب ہوگئی تو آگ نے جواب دیا کہ۔

گفت آتش من ہمانم آتشم اندر آتا تو بہ بینی تابشم

یعنی تو اندر آئے تو معلوم ہو کہ میں آگ ہوں یا نہیں باقی ان کو کیونکر جلاؤں اس لئے کہ چھری کاٹتی ہے مگر چلانے سے

طبع من دیگر نگشت وعنصرم تیغ حقم ہم بدستوری برم

جس قدر مصائب آتے ہیں سب حکم خداوندی سے نازل ہوتے ہیں اور سبب اصلی جرائم ومعاصی ہوئے کہ ان سے غضب حق ہوتا ہے اور پھر حکم سے بلا اور مصیبت نازل ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ بر تو آید از ظلمات وغم آن زبیباکی وگستاخی است ہم

غم چو بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کار کن

تو جب کوئی مصیبت دیکھو فوراً استغفار پڑھو سبحان اللہ کیا عجیب تعلیم ہے۔

بذریعہ توضیح حقیقت خلق و فعل مع قطع شبہات متعلق تقدیر

فعل و خلق کی حقیقت اور ان میں جو فرق ہے اس کو دریافت کرنا ضروری ہے۔ اس کو ایک محسوس مثال میں سمجھو کہ ایک بڑا بھاری پتھر ہے کہ زید جو کہ آقا ہے اس کو تنہا آسانی سے اٹھا سکتا ہے مگر عمرو جو کہ غلام ہے اس سے ہلتا تک بھی نہیں۔ زید نے عمرو سے کہا کہ اس پتھر کا اٹھانا ہمارے قانون میں جرم ہے اور گو اس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا۔ مگر ہم نے امتحان کے لئے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جو اس کے اٹھانے کے ارادہ سے اس کو ہاتھ لگاتا ہے ہم اٹھوا دیتے ہیں مگر یہ اٹھانا اس کی طرف بایں وجہ منسوب کیا جاتا ہے کہ اس نے ارادہ کیوں کیا جس پر ہمارا اٹھانا مرتب ہوا اگر وہ ارادہ نہ کرتا تو ہم اس پتھر کو نہ اٹھاتے اور وہ مجرم نہ قرار دیا جاتا۔ غرض زید کے اس قانون اور معمول پر مطلع ہونے کے بعد عمرو نے پتھر کے پاس پہنچ کر اس کو بارادہ اٹھانے کے ہاتھ لگایا اور اٹھانے پر آمادہ ہوا زید نے حسب اپنے معمول کے فوراً وہ پتھر اٹھوا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس صورت میں عمرو ہی کو مجرم قرار دے گا زید پر کسی قسم کا الزام نہیں رکھ سکتا۔ بس اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندے کو ارادہ وقوت کسب عطا فرمائی مگر وہ ایجاد فعل کے لئے کافی نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جب بندہ کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ پس مطابق مثال مذکور کے جو کچھ اعتراض ہے بندہ پر ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ منزہ وپاک ہے۔اگر یہ شبہ ہو کہ قبیح کا فاعل ہونا اگر قبیح ہے تو خالق ہونا بھی قبیح ہونا چاہئے۔اس کا حل یہ ہے کہ یہ قیاس غلط ہے۔ فعل قبیح اس لئے قبیح ہے کہ اس میں مفاسد غالب ہیں اور اس کے فعل میں کوئی حکمت واقعہ صحیح نہیں بخلاف خلق قبیح کے کہ اس میں ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں۔البتہ ان حکمتوں کا مفصلاً علم ہر ایک کو نہیں ہوتا۔مگر کسی شے کے علم نہ ہونے سے اس کا معدوم ہونا لازم نہیں آتا۔فعل قبیح میں حکمت نہ ہونے اور خلق قبیح میں حکمت ہونے کے لئے صرف یہ اجمالی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ باتفاق اہل عقل ونقل حکیم ہے اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور فعل قبیح کو اس نے منع کیا ہے تو ضرور فعل قبیح خالی از حکمت ہے۔اسی واسطے حکیم نے منع کر دیا اور خلق قبیح خود ان کا فعل ہے تو ضرور اس خلق میں کوئی حکمت ہوگی اسی لئے اس کو اختیار کیا۔

اس فرق کے دریافت کرنے سے بہت شبہات با آسانی دفع ہو جاتے ہیں۔اگر یہ شبہ ہو کہ اگرچہ خلق قبیح ارادہ عبد پر مرتب ہے اور اس لئے خالق پر الزام نہیں مگر اس فعل کے ساتھ جو ارادہ خداوندی کا تعلق ہے وہ تو ارادہ عبد پر مرتب نہیں بلکہ ارادہ عبد خود اس پر مرتب ہے تو اب اشکال پھر عود کر آوے گا۔سو یہ شبہ بھی اس تقریر بالا سے جو عنقریب مذکور ہوئی' زائل ہو گیا۔کیونکہ وہ ارادہ خداوندی مشتمل ہزاراں ہزار مصالح پر ہے اس لئے وہ قبیح نہیں' بخلاف فعل عبد کے بوجہ مفاسد کے قبیح ہے۔

طریقت حقیقت تہذیب اخلاق

ریاضت سے اخلاق ذمیمہ کے اصول کا ازالہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تہذیب ہو جاتی ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ان اصول کے آثار کا امالہ ہو جاتا ہے یعنی

ان اخلاق کا مصرف بدل جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص میں منجملہ اخلاق رذیلہ کے بخل اور غضب موجود ہو تو ریاضت سے اس کی جڑ نہیں جاتی کہ غضب و بخل ہی نہ رہے بلکہ تہذیب اس طرح ہوجاتی ہے کہ پہلے مواقع خیر میں بخل کرتا تھا اور بندگان نیک پر غصہ کرتا تھا اب نامشروع جگہ بخل کرے گا اور مبغوضان الٰہی اور اپنے نفس پر غصہ کرے گا۔ تو اسباب بعد اس طرح اسباب قرب بن گئے اور اس سے اس اختلاف کا بھی فیصلہ ہوگیا کہ ریاضت سے تبدیل اخلاق ہوسکتی ہے یا نہیں اس سے معلوم ہوگیا تبدیل اصول تو نہیں ہوسکتی۔ حدیث میں ہے "اذا سمعتم برجل زال عن جبلة فلا تصدقوه" اور تبدیل آثار و مصارف ہوسکتی ہے اس لئے حکم ہے مجاہدہ و ریاضت کا۔ (التکشف، طریقت ص ۹۷)

اعتراض ۔ مسلمان کبائر اس لئے زیادہ کرتے ہیں کہ انکے عقیدہ میں کبائر معاف ہوسکتے ہیں۔

جواب نمبر ۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اقدام جرائم اگر اس عقیدۂ اسلام کا ثمرہ ہوتا۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ جن لوگوں کو اسلام سے جتنا زیادہ تعلق ہے۔ مثلاً علماء، اتقیاء و صوفیہ ان میں یہ ثمرہ زیادہ ظاہر ہوتا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ مذہب کے ثمرات کا ظہور ان ہی لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو مذہب سے تعلق زیادہ ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں اور کفار بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلام سے تعلق زیادہ ہے۔ وہ جرائم کا ارتکاب تو کیا کرتے۔ وہ تو شبہات سے بھی احتراز کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ایک دوست کا جو کہ بی۔ اے ہیں۔ واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے ان کے پاس اسباب ۵ اسیر سے زیادہ تھا۔ اسٹیشن پر تنگی وقت کی وجہ سے وہ اس کو وزن نہ کراسکے۔ اس وقت تو جلدی میں سوار ہوگئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جاکر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کراسکا۔ اب آپ اس کو وزن کرلیں اور جو

محصول میرے ذمہ ہو اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا۔ کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لیجاؤ۔ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لے لینا چاہئے۔ مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اس نے بھی کہا کہ آپ بلاتکلف سامان لیجائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہو گا (کیونکہ ان کی صورت ملانوں کی سی تھی) غرض ان دونوں نے اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شراب پئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ صاحب میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہبی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔ اس پر وہ دونوں بولے کہ صاحب ہم تو اس وقت اسباب وزن نہیں کر سکتے۔ آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ تعالیٰ اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں؟ آخر خدا نے امداد کی اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جائے۔ اس طرح ریلوے کا حق اسکو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

میرے ایک اور دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے۔ واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا۔ جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا مگر اس کی عمر تقریباً ۱۲ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدہ سے اس عمر کے بچہ کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے۔ انہوں نے اس کا پورا ٹکٹ لینا چاہا۔ تو ساتھیوں نے بہت منع کیا۔ کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے۔ آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے۔ کوئی کچھ نہ کہے گا۔ انہوں نے کہا کہ بندے

کچھ نہ کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں (تھوڑی اجرت) بدوں اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا۔ غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا۔ اوران کے ساتھی ان کو بیوقوف بناتے رہے مگر ؎ اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد۔ بھلا اس کی نظیر کوئی قوم بھی دکھلا سکتی ہے کہ ایک شخص کو ریل بابو اور اسٹیشن ماسٹر خود کہہ دے کہ تم بلا تکلف اسباب لیجاؤ۔ ہم محصول نہیں لیتے۔ اور وہ پھر بھی ان پر اصرار کرے کہ نہیں تم کو محصول لینا پڑے گا۔ تم کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اور جب وہ کسی طرح وصول نہیں کرتے تو یہ محض خدا کے خوف سے ریلوے کا ٹکٹ مقدار محصول کے برابر خرید کر چاک کرتا ہے۔

اور یہ صورت شبہات سے احتراز کرنے کی عام لوگوں کی نظروں میں ہے ورنہ حقیقت میں یہ شبہات کی قسم سے نہیں بلکہ صریح واجب کا امتثال ہے پس اگر اس عقیدے کا اثر اقدام علی الجرائم ہوتا تو علماء و صلحاء سب سے زیادہ بیباک اور جرائم پر اقدام کرنے والے ہوتے۔ حالانکہ مسلمانوں میں یہ طبقہ جو اسلام کے حقیقی مرتبے کو پہچانتا ہے۔ سب سے زیادہ جرائم سے بچنے والا اور شبہات سے احتراز کرنے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عقیدہ کا یہ اثر نہیں ہے۔ جو ان معترضوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا اثر جرائم سے رکنا اور گناہوں سے نفرت پیدا ہوتا ہے۔

جس کی وجہ میں عنقریب بتلاؤنگا۔ کہ اس عقیدے کا اثر گناہوں سے نفرت پیدا ہونا کس طرح ہے مگر افسوس ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش درنظر

ایسا پاکیزہ مسئلہ جو جرائم کی جڑ کاٹنے والا ہے۔ بداندیش کو اقدام جرائم کا سبب معلوم ہوتا ہے۔ یہ جواب تو مشاہدہ کے متعلق ہے۔ کہ حسًا و مشاھدۃً

اس عقیدہ کا یہ اثر جو تم بتلا رہے ہو غلط ثابت ہو رہا ہے۔

جواب نمبر۲۔ اور جواب عقلی اس کا یہ ہے۔ کہ یہ عقیدہ عقلاً اقدام جرائم کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے۔ باوجود کبائر کے عذاب سے معاف کر دیں گے۔ جس میں تعیین کسی کی نہیں ہے۔ یعنی کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الٰہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظرا الی اصل الاستحقاق قانوناً) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جائے۔

اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک عنین شخص شرم وندامت کی وجہ سے خود کشی پر آمادہ ہو کر سنکھیا استعمال کرے۔ اور اتفاقاً وہ سنکھیا کھا کر ہلاک نہ ہو بلکہ سنکھیا ہضم ہو کر اس کے اندر قوت مردمی پیدا کر دے۔ چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سنکھیا کھانے پر جرات ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔ کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا۔ مگر اتفاقاً اس شخص میں اسکی خاصیت کا ظہور نہ ہوا۔ تو اس سے یہ خاصیت نہیں بدل گئی۔ اسلئے مردانگی بڑھانے کیلئے سنکھیا کھانے کی کوئی نہ اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرات کر سکتا ہے۔

علی ہذا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام وسلاطین مراحم خسروانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کر دیتے ہیں۔ مگر اس علم کی وجہ سے ہر شخص کو قتل پر جرات نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصلی سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ اور مراحم خسروانہ کوئی قانون نہیں۔ بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مراحم خسروانہ کا برتاؤ کرے کس کے ساتھ نہ کرے۔ لہٰذا مراحم خسروانہ کے بھروسہ پر اقدام جرائم کی جرات نہیں ہو سکتی۔ بعینہ اسی طرح کبائر کا بدون

عذاب کے معاف ہوجانا بطور مراحم خسروانہ کے ہے۔پس اس مسئلے کو اقدام جرائم کا سبب کیونکر سمجھ لیا گیا۔

بھلا اگر کوئی شخص جنگل میں پاخانہ کرنے جائے اور استنجے کیلئے ڈھیلا توڑتے ہوئے اس کو زمین میں سے سونے کا گھڑا مل جائے۔تو کیا اس اتفاقی بات پر بھروسہ کرکے کوئی شخص بھی تجارت وزراعت سے مستغنی ہو کر بیٹھ سکتا ہے۔ کہ مجھ کو بھی اسی طرح پاخانہ کرتے ہوئے سونے کا گھڑا مل جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔اسی طرح اتفاقاً کسی مرتکب کبائر کا بدون عذاب کے بخش دیا جانا اتفاقی ہے اس لئے یہ اقدام جرائم کا سبب ہرگز نہیں ہوسکتا۔مگر پھر بھی جو لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اپنی طبیعت کے خبث سے ایسا کرتے ہیں اس عقیدے کو اس میں کیا دخل۔

جواب نمبر۳۔ پھر یہ جو بعض گنہگاروں کی مغفرت بدون عقاب کے ہوجاتی ہے۔اس کی وجہ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مغفرت کیونکر ہوگی۔ یہ بھی کسی عمل صالح ہی کی وجہ سے ہوگی۔ابوداؤد کی ایک حدیث ہے کہ ایک شخص نے کسی مقدمہ میں حضور ﷺ کے سامنے جھوٹی قسم کھائی اور اس طرح کہا ﴿اشهد بالله الذي لا اله الا هو ما فعلت ذلك﴾ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ ﴿فقال رسول الله بلى قد فعلت لكن غفر الله لك باخلاص قول لا اله الا هو﴾ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ کام ضرور کیا (اور تیری قسم جھوٹی ہے۔جس کا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے) لیکن حق تعالیٰ نے تجھے اس اخلاص کی برکت سے بخش دیا جو لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ کہتے ہوئے تجھ سے صادر ہوا۔ نہ معلوم اس وقت کس دل سے اس نے خدا کا نام لیا تھا۔ جو اس درجہ مقبول ہوگیا (یعنی اس نے خدا کا نام اس وقت کامل اخلاص سے لیا تھا۔ اس کی برکت سے حلف کاذب کا گناہ معاف ہوگیا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور نے ڈگری اسی کی کردی۔بلکہ محض اس گناہ کی مغفرت کا بیان فرمانا مقصود ہے۔کیونکہ

جب وحی سے اس کا کاذب فی الحلف ہونا معلوم ہو گیا۔ تو اب ڈگری اس کے حق میں کیوں کر ہو سکتی تھی۔ تو دیکھئے گناہ کتنا سنگین تھا کہ جھوٹی قسم کھائی اور وہ بھی حضور ﷺ کے سامنے۔ کہ حضور کے سامنے جھوٹی قسم کھانا ایسا ہے جیسا خدا کے سامنے۔ اور ظاہر ہے کہ محل و زمان کی عظمت سے بھی فعل میں عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔

زنا کرنا گناہ ہے۔ مگر مسجد میں زنا کرنا اور بھی اشد ہے۔ اور اگر کوئی نامعقول کعبہ شریف میں ایسا فعل کرے۔ تو بہت ہی سخت ہے۔ اسی طرح جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔ مگر حضور ﷺ کے سامنے اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ آپ نائب خدا ہیں۔ آپ کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے۔ جیسی خدا کے سامنے ہو۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ہم تو اس وقت بھی جو کچھ کرتے ہیں۔ سب خدا ہی کے سامنے ہے۔ اور جس جگہ جو کام ہو گا۔ وہ خدا کے سامنے ہو گا تو چاہئے ہر جگہ وہ گناہ ہو جو حضور کے سامنے جھوٹی قسم سے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تم تو خدا کے سامنے ہو مگر خدا تمہارے سامنے نہیں۔ اور میرا مطلب یہ ہے کہ حضور کے سامنے قسم کھانا ایسا ہے۔ جیسا خدا کو سامنے سمجھ کر قسم کھانا۔ خلاصہ یہ کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب حسی۔ یہ تو جہاں ہوتا ہے طرفین سے ہوتا ہے اور ایک قرب علمی۔ یہ ایک طرف سے بھی ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت جو تم خدا کے سامنے ہو۔ یہ قرب علمی ہے کہ خدا تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر اس حالت میں تم کو قرب حاصل نہیں۔ ورنہ ہر شخص کا مقرب ہونا لازم آئے گا۔ اور قیامت میں جو تم خدا کے سامنے ہوگے وہ قرب جانبین سے ہو گا۔ کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے سامنے ہوگے۔ اور خدا تعالیٰ بھی تمہارے سامنے ہوں گے ﴿نحن اقرب الیه من حبل الو رید﴾ میں قرب علمی مراد ہے۔ اسی لئے یہ نہیں فرمایا۔ کہ تم بھی ہم سے قریب ہو۔ بلکہ صرف اپنا قرب بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہاں تماشا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہم سے

قریب ہیں۔مگر ہم ان سے دور ہیں۔ ؎

یار نزدیک تر زمن بہ من است
ویں عجب ترکہٗ من ازوے دورم

تو حضور ﷺ کے سامنے جھوٹی قسم ایسی ہے۔جیسی قیامت میں خدا کے سامنے جھوٹی قسم کھانا۔جبکہ تم بھی حق تعالیٰ کو اپنے سامنے سمجھو گے۔ (محاسن الاسلام ص ۹)

چوتھا جواب یہ ہے کہ بعض گناہوں کا بدون عقاب کے معاف ہوجانا یہ حق تعالیٰ کا عفو وکرم ہے۔اس کو سن کر لوگوں کو معلوم ہوگیا۔کہ حق تعالیٰ بڑے ہی رحیم وکریم ہیں۔جو اپنے بندوں پر بے حد عنایت فرماتے ہیں۔اور قاعدہ ہے کہ طبائع سلیمہ میں عنایت وکرم سے اطاعت وعبادت کو ترقی ہوتی ہے۔نہ کہ سرکشی کو۔اگر آقا کی عنایات زیادہ ہوں تو اس کی اطاعت کا شوق بڑھتا ہے۔وہ نوکر بڑا ہی پاجی ہے جو آقا کی بیحد عنایات کے بعد بھی سرکشی ہی کرے۔طبائع سلیمہ تو احسان وکرم وعنایات سے بندہ بے درم ہوجاتی ہیں۔اس لئے یہ عقیدہ اقدام علے الجرائم کا سبب ہرگز نہیں۔بلکہ جرائم وسرکشی کی جڑ کاٹنے والا ہے۔جن لوگوں کی طبائع سلیم ہیں۔وہ خدا کی ان نعمتوں اور عنایتوں کو دیکھ کر اور زیادہ عبادت کرتے ہیں۔چنانچہ جو لوگ اسلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ اثر مشاہد ہے۔اب اگر اس عقیدہ سے کسی میں اقدام جرائم کا وصف پیدا ہو۔تو کہا جائے گا کہ یہ اس عقیدہ کا اثر نہیں۔بلکہ اس شخص کی کجی طبع کا اثر ہے۔

جیسا بادشاہ کا کریم ہونا طبائع سلیمہ کیلئے زیادت وفاداری کا سبب ہوتا ہے۔گو بعض نالائق بادشاہ کے کرم کی وجہ سے جرائم پر بھی دلیر ہوجاتے ہیں۔مگر کیا اس کا سبب بادشاہ کے کرم کو کہا جائے گا یا ان کی بدطینتی کو۔اس کا فیصلہ عقلاء

خود کرسکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو آیت ﴿لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعًا﴾ سے دھوکا ہوا ہے۔ اور وہ بے فکر ہوگئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ حق تعالیٰ یقیناً سب گناہوں کو معاف کردیں گے کیونکہ لمن شاء کی قید نہیں ہے سو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اول تو یہ آیت عام نہیں ہے بلکہ اس کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا ہے۔ جو کفر سے اسلام کی طرف آنا چاہتے تھے۔ مگر ان کو اسلام سے یہ خیال مانع تھا کہ ہم نے حالت کفر میں بڑے بڑے جرائم کئے ہیں۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ آیا اسلام کے بعد ان پر مواخذہ ہوگا یا نہیں۔ اگر مواخذہ ہوا تو پھر اسلام سے ہی کیا فائدہ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ کفار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا لو اسلمنا فما یفعل بذنوبنا التی اسلفنا (او کما قالوا) کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو ہمارے پہلے گناہوں کے متعلق کیا برتاؤ ہوگا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے بعد پہلے گناہ جو حالت کفر میں کئے گئے ہیں۔ سب معاف ہوجاویں گے۔ پس اس میں جو مغفرت کا وعدہ حتمی ہے۔ وہ عام نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اور لوگوں کے گناہ بدون عقاب کے معاف نہ ہوں گے۔ نہیں دوسروں کے بھی معاف ہوں گے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں۔ لیکن ان کیلئے وہی وعدہ ہے جو دوسری آیت میں مذکور ہے۔ ﴿ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ جس میں حتمی وعدہ نہیں کیا۔ بلکہ مشیت کی قید سے مشروط ہے اور اس آیت میں جو بلا قید وعدہ حتمی کیا گیا ہے۔ یہ صرف نو مسلموں کیلئے ہے۔ کہ اسلام سے ان کے پہلے گناہ ضرور معاف ہوجاویں گے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہورہا ہے۔ اور شان نزول مثل تفسیر کے ہے۔ بہت سے نصوص بظاہر عام ہیں۔ لیکن شان نزول سے ان کی تقیید کی جاتی ہے۔ (وعظ محاسن الاسلام ص ۱۵)

کیا وجہ ہے کہ حالات اور واردات قلبیہ ذوق وشوق انس، ہیبت، شورش

، مستی وغیرہ کا کبھی کبھی سالک کو غلبہ رہا کرتا ہے اور بعد ازاں ان سب میں سکون معلوم ہوتا ہے اور یکساں حالت رہتی ہے۔

فرمایا۔ یہ انتہائی حالت تمکن اور سکون کی ہے پہلے طبیعت کا غلبہ ہوتا ہے اور بعد اس کے عقل کا غلبہ رہتا ہے اس وجہ سے سکون ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی حالت یہی تھی کہ ان کی طبیعت تابع عقل تھی یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ باوجود کمال عشق الٰہی کے کبھی مغلوب نہیں ہوئے اور متوسطین اولیاء امت کو چونکہ غلبہ طبیعت کا عقل پر ہے احوال مغلوبیت کے ان سے زیادہ صادر ہوئے۔ (تربیۃ حصہ دوم ص ۲۳)

انوار والوں کا مکشوف ہونا

اہل سلوک نے کتب فن میں حالت ذکر و مراقبہ میں الوان وانوار کے معلوم ومکشوف ہونے کو لکھا ہے کہ سالک جب کثرت ذکر و مجاہدہ سے صفائی قلبی وروحی حاصل کرلیتا ہے تو اکثر ذکر و لطائف کے الوان وانوار ملکوتیہ کا ظہور کبھی اپنے وجود کے اندر اور کبھی وجود سے خارج وعلیحدہ مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے آثار محمودہ اور غیر محمودہ ہونے کو بھی لکھا ہے۔ واقعی یہ سب تصرف خیال اور یبوست دماغ سے صور متخیلہ متمثل ہوکر ظاہر ہوتی ہیں یا درحقیقت اس کی بھی کچھ اصل ہے۔

فرمایا اگر واقعی کچھ واقعات ملکوتیہ کسی کو کچھ معلوم ومکشوف ہوگئے تو یہ غیر مقصود ہے اور قابل توجہ نہیں اس کی نفی کردینا چاہئے اور اس جگہ بہت بڑی ضلالت ہوتی ہے کہ اگر شیخ کامل اور محقق کامل نہیں ہوا تو طالب حق غیر مقصود کو مقصود سمجھتا ہے اور انواع واقسام کی غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور زندگی بھر الوان وانوار ہی کی لذت اور سعی میں مغموم ومحزون رہتا ہے بلکہ تنگ آکر ذکر وطاعت کو جو کہ اصل مقصود ہے چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ سے بھی بدگمان ہوجاتا ہے۔

غرضیکہ ساری زندگی اس کی اسی اولٹ پھیر میں گذر جاتی ہے اور کوئی کام اس کا دینی اور دنیاوی راست نہیں ہوتا۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

اسی وجہ سے جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ السامی نے حجاب نورانی کو حجاب ظلمانی سے اشد فرمایا ہے۔ اور اپنے وابستگان کو اس کی جانب توجہ کرنے سے روکا ہے کیونکہ اس جگہ اصل مقصود سے طالب رہ جاتا ہے اور یہ بڑی محرومی ہے۔ اصل مقصود ان اشغال کی مشغولی اور کثرت فکر و مراقبہ و مجاہدہ سے تہذیب نفس واصلاح قلب اور بفحوائے آیت کریمہ ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ جمعیت اور اطمینان قلب کی دولت اور نسبت حضور مع اللہ اور یکسوئی اور یادداشت کے ملکہ راسخہ پیدا ہوجانیکی تدبیر اور مقامات توکل، تسلیم، تفویض، رضا، اخلاص، توحید، محبت، خشیت وغیرہ کی تصحیح ہے ورنہ فی نفسہ اس کی کوئی حاجت نہیں تھی اصل مقصود صرف ذکر وطاعت حق ہے اور اسی سے قرب باری تعالیٰ کا میسر ہوتا ہے۔

سوال: لطائف کے الوان وانوار کی جانب توجہ رکھنے کی کیا حاجت تھی؟ کیا یہ جزو طریق ہے جیسا کہ کتب فن میں اس کو داخل کر دیا ہے۔

جواب: فرمایا یہ سلوک کا کوئی جزو نہیں۔ لطائف کے الوان وانوار عارضی ہیں چونکہ لطائف کی جانب توجہ رکھنے سے طالب کو یکسوئی جلد ہوجاتی ہے اسلئے شیوخ اس کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور اس مشغولی میں اگر کسی کو کچھ الوان وانوار نظر آگئے تو پہلے اس کی بے وقعتی نہیں کرتے تاکہ یکسوئی میں ضعف نہ ہوجائے بلکہ جب یکسوئی کا ملکہ راسخہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس کی جانب سے توجہ ہٹا دیتے ہیں۔ (تربیۃ حصہ دوم ص ۳۲)

تجلی رحمانی اور شیطانی کی پہچان

سوال : ممکن ہے کہ صور مثالیہ کے ساتھ شیطان بھی متجلی ہوجائے پھر تجلی رحمانی اور شیطانی کی کیا پہچان ہے۔

جواب : فرمایا۔ کہ اگر اس کے ظہور سے علامت ضلالت اور وحشت کی پائی جاوے تو تجلی شیطانی ہے اور اگر نور ہدایت اور انس وفرحت کی علامت پائی جاوے تو تجلی رحمانی ہے۔

سوال : اس تجلی مثالی کیساتھ حق تعالیٰ کو دیکھنا مکاشفات اور خواب میں صرف قلب ہی کیساتھ ہوتا ہے یا اس کا مشاہدہ اس آنکھ سے بھی ہوسکتا ہے۔

جواب : فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اس تجلی کا ادراک صرف قلب کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ حالت مراقبہ میں آنکھ کھلی بھی ہو لیکن ادراک اس کا اسی باطنی آنکھ سے ہوتا ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر ظاہری آنکھ بند کرلی جاوے جب بھی وہ مدرک ہوگا اور یہ خود فرمایا کہ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ آنکھ بند کرلی جاوے اور مدرک وہ نہ ہو جس طرح عینک لگی ہوتی ہے۔

انوار وکشف قابل التفات نہیں

حال : بارہ ہزار بار اسم ذات پڑھتا ہوں بارہ تسبیح صبح کو پڑھتا ہوں دعا فرمائیے کیونکہ تہجد میں مجھ کو نیند آجاتی ہے ـــــ اپنے حضرت سے خط وکتابت رکھوں گا۔ انتظام ہونے پر حاضر خدمت ہونگا۔ جب حضرت کا والا نامہ صادر ہوتا ہے تو قلب میں خاص کیفیت معلوم ہوتی ہے روشنی رات کو کبھی زرد معلوم ہوتی ہے اور کبھی سرخ معلوم ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کرنے پر بھی معلوم ہوتی ہے اور دن میں بھی

معلوم ہوتی ہے اور میرے قلب میں نئی نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ حضرت میری طرف توجہ فرماتے رہئے چھ ماہ سے محنت کر رہا ہوں۔ اور حضرت کی اجازت سے کر رہا ہوں ایک شخص کا مرنا مجھ پر قبل معلوم ہو گیا تھا اور یہ بدن کشف سے معلوم ہوتا ہے میں ہر چند تردید کرتا ہوں لیکن قلب میں انکشاف ہو جاتا ہے منشی ------ سے میرے کشف کے حالات معلوم فرماویں ان کو بھی معلوم ہے مفصل حالات وہ فرمائیں گے۔

تحقیق : معمولات کافی ہیں فی الحال تغیر، تبدل کی ضرورت نہیں ایسے انوار گاہے ملکوتی ہوتے ہیں مگر اکثر ناسوتی۔ اشتعال اخلاط سے اور دونوں حالت قابل التفات نہیں گو نافع ہیں، پس خدا تعالیٰ کا شکر کیا جاوے مگر کمال نہ سمجھا جاوے۔ اور کشف تو ناقص کیلئے فتنہ ہے۔ ہرگز اس طرف التفات نہ کریں۔ بلکہ اس کو مضر سمجھیں اور اس پر ناز یا نظر نہ کریں ذکر کی مشغولی سے اس کو مغلوب کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے تم کو اس پر ناز ہے۔ (تربیۃ حصہ مذکور ص ۱۰۱)

عدم مطلوبیت لذت و ذوق و فرق مابین حال و مقام

حال : جو خلوص و ذوق پہلے عبادت میں تھا اب نہیں پاتا ہوں۔

تحقیق : ذوق مطلوب نہیں کیونکہ وہ ایک حال ہے نہ کہ مقام۔ اور مطلوب مقامات ہیں نہ کہ احوال۔ اور فرق دونوں میں اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا ہے۔ اہل فن کا قول ہے القامات مکاسب والا حوال مواہب۔ حضرت" فرمایا کرتے تھے۔ کہ طالب لذت طالب حق نہیں ہے کام میں لگنا چاہئے ثمرہ پر نظر نہ چاہئے۔ (تربیۃ السالک حصہ اول ص ۲)

لذت مطلوب نہیں

حال : بندہ کو عبادت میں لذت نہیں معلوم ہوتی ہے۔اور طاعت حق کی طرف دل بندہ کا راغب تام نہیں ہے۔

تحقیق : عبادت میں لذت اختیاری نہیں امور غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑ جانا چاہئے۔اپنی قدرت واختیار کے کاموں میں لگا رہنا چاہئے۔(تربیۃ حصہ اول ص ۸)

عدم مطلوبیت لذت وذوق

حال : ناچیز اپنے معمولات میں (یعنی اسم ذات چھ ہزار مرتبہ) مشغول ہے بفضلہ تعالیٰ وبدعائے حضرت اکثر روز بعد تہجد قبل صبح صادق بعض روز بعد صبح صادق اور بطور ندرت بعد نماز فجر ختم کرتا ہے لیکن جو رغبت وصلاحیت وقت حضوری دربار کے نصیب تھی اور جو حالت اس وقت تھی۔(یعنی حالت ذکر میں ایسی دل بستگی ہوتی تھی۔کہ رونا آجاتا تھا)اب وہ حالت نہیں۔

تحقیق : حالت یکساں نہیں رہتی۔مگر یہ خصوصیات مواجید واذواق کے مقصود نہیں مقصود محفوظ رہنا چاہئے۔اور وہ ذکر وطاعت ہے خواہ اس میں بسط ہو یا قبض کہ بعض منافع قبض کے زیادہ ہیں بسط سے ہمت سے کام میں لگے رہیں اول اول ایسے ہی تغیرات ہوا کرتے ہیں پھر حق تعالیٰ مناسب استعداد کے تمکین عطا فرمادیتے ہیں۔جب اس کا وقت مقدر ہوتا ہے گھبرا جانا دلیل ہے ضعف ہمت کی آرے طریق دولت چالاکی ست وچستی۔(تربیۃ حصہ سوم ص ۲)

فصل۔ تحقیق حالت قبض

ایک سالک کے سوال پر کہ طبیعت پر پژمردگی اور انقباض کا غلبہ برابر بڑھتا جاتا ہے۔ ہفتوں کیا مہینوں کوئی انبساط نصیب نہیں ہوتا۔ دل ودماغ سب پر معلوم ہوتا ہے کہ موت طاری ہے۔ نہ خلوت میں جی لگتا ہے نہ جلوت میں زندگی کے خلاو تعطل سے طبیعت بالکل تنگ آگئی ہے۔

ملازمت محض پیٹ کے لئے ہے دلچسپی کا اس میں اب قطعاً کوئی پہلو نہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ زندگی کا کوئی دینی ودنیوی مشغلہ ومصرف سمجھ میں نہیں آتا ہے اور اگر کچھ سمجھ میں آتا ہے تو اس کی ہمت وصلاحیت مفقود ہے۔ لے دے کر کچھ لکھ پڑھ لیتا تھا۔ خصوصاً تعطیلوں میں اب کے وہ بھی بالکل ہی کہنا چاہئے کہ نہیں ہوسکا نہ طبیعت کسی طرف متوجہ ہوئی زبردستی کچھ لے کر بیٹھا تو بس اکثر لئے بیٹھا ہی رہا۔ آخر جب قلم نہیں چلا تو گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ خط تک لکھنے تک سے جی چراتا ہوں موت کی تمنا تو ابھی تک نہیں پیدا ہوئی۔ لیکن زندگی وبال ضرور ہے لکھنؤ اور گھر سے روز بروز وحشت بڑھتی جاتی ہے بس یا تو جی یہ چاہتا ہے کہ مسجد کا کوئی حجرہ ہو یا اس سے بھی زیادہ اب کی تھانہ بھون کی حاضری کے بعد سے برابر یہ تقاضا ہے کہ مستقلاً حضرت ہی کے قدموں کے نیچے پڑے رہنے کا سامان ہوجاوے۔ گو طبیعت کی بے قراری کا جو حال ہے نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس حال پر قرار پکڑے گی۔ رخصت کا ملنا بھی اب میرے لئے بہت مشکل ہوگیا ہے۔ تاہم اس مرتبہ اسی نیت سے جارہا ہوں کہ اگر کچھ رخصت مل سکے تو کچھ دن ہی کے لئے حضرت کی خدمت میں آپڑوں تعطیل میں تو یہاں آکر ایسا پھنس جاتا ہوں کہ آئندہ سے خیال ہورہا ہے کہ پہلے سیدھا تھانہ بھون ہی انشاء اللہ حاضر ہوجایا کروں گا۔ یہ تو آئندہ کی بات ہے لیکن موجودہ حالت قلب ودماغ

کاایک ایک دن کاٹے نہیں کٹتا۔ حضرت دعا کے ساتھ کچھ مناسب چارہ گری بھی فرمائیں۔

تحقیق: یہ حالت قبض کہلاتی ہے جو سب کو پیش آتی ہے۔ اور جو باعتبار صورت کے بلا ہے اور باعتبار معنی کے نعمت ہے کیونکہ اسباب اس کے مختلف ہیں۔ کبھی تغیرات طبعیہ مزاجیہ فساد اخلاط یا موسم یا ادویہ واغذیہ سے یا عوارض نفسانیہ فکر یا حزن یا غضب وغیرہ سے جس کا علاج ان کے اضداد سے ہے کبھی کسی معصیت کا صدور جس کا حق معصیت کا تدارک اور استغفار کی کثرت اور کبھی رفع درجات کہ اعمال اختیاریہ کی کمی کا تدارک مجاہدہ اضطراریہ سے کیا جاتا ہے پھر اس سے درجات بڑھتے ہیں۔ اور کبھی اصلاح اخلاق کہ کمالات سے اپنا خلو دیکھ کر شکستگی وپستی پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے بہت سے غوائل کا علاج ہو جاتا ہے جیسے عجب وکبر وقساوت وامثالہا۔ اور کبھی امتحان محبت کہ بندہ بشاشت ہی پر عمل کرتا تھا جس میں ایک گونہ حظ نفس بھی ہوتا ہے یا بے ذوقی میں بھی عمل کرتا ہے اس کا سبب صرف محبت وغلبہ عظمت ہو سکتا ہے اور کبھی جذب الی عالم القدس برفع الحجب والموانع اور کبھی دوسرے اسباب جو تعبیر سے بھی فوق ہیں۔

اس تمہید کے بعد چند امور قابل تنبیہ ہیں نمبر۱ کبھی متعدد اسباب بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ نمبر۲ ایسی حالت پیش آنے کے وقت اسباب کی تشخیص وتعیین کی ضرورت نہیں بلکہ اکثر مضر ہے کیونکہ تیقن کا کوئی ذریعہ نہیں۔ سو اگر وہ سبب نہ ہوا تو سعی ہی بیکار ہوگئی۔ نمبر۳ بلکہ سب احتمالات کا حق ادا کیا جاوے یعنی استغفار اور صبر وشکر وتفویض وتوکل اور تواضع ودعا وابتہال وکثرت ذکر واستقامت علی الاعمال اور لایعنی تعلقات کی تقلیل واستعمال مفرحات ومقویات طبع جس میں ملاقات احباب واشتغال بالازواج والاولاد واستعمال مرغوبات طبعیہ بر غایت اعتدال بھی داخل ہے۔ ان سب کو نظام کے ساتھ جمع کیا جاوے نمبر۴ ان اعمال کو بقصد تدبیر وعلاج وبانتظار بسط وسکون نہ کیا جاوے بلکہ ان کو خود مطلوب سمجھ

کر کیا جاوے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی یہ رفع نہ ہو تو اس پر راضی اور ادائے حقوق مذکورہ پر مداوم رہے۔

نمبر۵ اسباب ضیق وتشویش سے تحرزالا بضرورت شدیدہ۔ان امور کے التزام سے انشاء اللہ تعالیٰ اکثر تو بسط طبعی ورنہ بسط عقلی تو لزوم کے ساتھ میسر ہو گا۔اگر بسط کے بعد شبہ عود کا ہو ان عدتم عدنا کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔ جیسے کسی کو موسمی بخار ہمیشہ آتا ہو تو وہ گھبراتا نہیں نسخہ کی تجدید کرلیتا ہے۔

اسی سالک کے حال پر کہ قبض کی حالت بدستور ہے اور بسط ونشاط قطعاً کافور۔اپنے ایمان وعمل کی حقیقت معلوم ہے۔اس لئے جذب الی عالم قدس یا رفع الحجب و الموانع وغیرہ کے سے اسباب قبض کا تو اپنے حق میں احتمال بھی نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامت" نے فرمایا۔یہی فیصلہ محل کلام ہے۔جن اکابر کے حق میں ہم لوگ اس جذب اور رفع کا اعتقاد قریب بہ یقین رکھتے ہیں وہ آپ سے زیادہ کہتے ہیں کہ اپنے ایمان وعمل کی حقیقت معلوم ہے۔چنانچہ ستربدرئین کے متعلق صحیح بخاری میں ہے[1] کلھم یخاف النفاق علی نفسہ—بلکہ عارفین کے نزدیک یہی اعتقاد دلیل ہے کمال ایمان کی۔ ناقص الایمان کو اپنے نقصان ایمان کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔

حال : باقی جسمانی ونفسانی امراض ونقائص کے جن اسباب کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے وہ قریب قریب سب ہی بلکہ بہت زیادہ موجود ہیں

تحقیق : خود یہ اسباب موجب اجروقرب ہیں اور ان پر جو ناگواری مرتب ہوتی ہے وہ بھی موجب اجر۔

---

[1] (حضرات صحابہ ﷺ میں سے) اپنے نفس پر ہر ایک خوف زدہ رہتا تھا۔۱۲

حال :اور عجب وکبر وقساوت کا بحمداللہ خوب علاج ہورہا ہے۔ نفس اگر حد سے زیادہ بے حیا نہ ہوتا تو حیادار کے لئے اتنی مار بہت تھی۔

تحقیق :تو کیا حیا میں نفس مرجاتا۔ پھر یہ تو موت سے بھی زیادہ ہے لا یموت ولا یحیی تو حیا کی نفی کیسے کی جاتی ہے۔

حال :تدابیر جو حضرت نے تجویز فرمائی ہیں سب پیش نظر ہیں۔ زبان کی حد تک بفضلہ ذکر واستغفار جاری ہے۔

تحقیق :یہ جتنی اور جس صورت سے بھی ہو رحمت وموہبت ہے۔

حال :صبر وشکر وتفویض وتوکل کی حالت زیادہ تر بے بسی وبیچارگی سی معلوم ہوتی ہے۔

تحقیق :یہ بھی نعمت ہے جو اضطراراً عطا کر دی گئی۔ قصد افعال اختیاریہ میں شرط اجر ہے نہ کہ امور اضطراریہ میں۔ اس میں بلا قصد بھی اجر عطا ہوتا ہے۔

حال :دعا بھی کرتا ہوں لیکن رغبت وروح سے ہر شے خالی نظر آتی ہے۔ اور رقت وابتہال کو تو ترستا ہوں۔ یا تو قساوت کی کوئی حد نہیں رہی ہے یا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل ودماغ سب سن اور بے حس ہورہے ہیں یا جیسے زیادہ مار کھانے سے آدمی بوکھلا جاتا ہے۔

تحقیق :قساوت کے لئے تو جرات علی المعاصی لازم ہے بس یہ تو نہیں۔ اگر دوسری حالت ہے تو مجاہدہ اضطراریہ ہے جس کا فیصلہ اب ہی مذکور ہوا۔

حال :تعلقات یعنی ولایعنی قریباً ہر قسم کے مدت سے قلیل کیا مفقود ہیں۔ گھبرا کر اگر کہیں جاتا بھی ہوں یا جی چاہتا ہے کہ کوئی آجاوے تو دونوں صورتوں میں اکثر اور زیادہ تکدر ہی کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

تحقیق :کیا یہ رفع حجب کی فرد نہیں۔

حقیقت نفس

سوال : نفس کیا چیز ہے۔اگر لمتہ الشر کا نام ہے تو بعض وقت مسلمان طبعاً عبادت کی خواہش کرتا ہے خصوصاً جب اس میں حق سبحانہ کچھ لذت مرحمت فرمادیں اس وقت ہوائے نفس اور لمتہ الخیر رضائے باری عز اسمہ میں سوائے اس کے کہ دین اسلام اور شریعت غراء کو ممیز قرار دیں اور کوئی بھی سبیل افتراق ہے یا نہیں بظاہر تو جو دل گناہ میں لذت پاتا اور اس کی خواہش کرتا ہے وہی عبادت میں لذت پاتا اور خواہش مند ہوتا ہے۔ محض یہ سمجھ لینا کہ اول لمتہ الشر من الشیطان ہے دوسرا لمتہ الخیر من الملک ہے۔دل کو تسکین نہیں دے سکتا اور اگر ہو بھی تو ہر شخص کے لئے نہی النفس عن الھوی پر عمل کرنے کے لئے پورے علم دین کی ضرورت ہے، تھوڑا علم کافی نہیں۔اس صورت میں تکمیل علم زائد از ضرورت جس کو فرض کفایہ شمار کیا گیا ہے فرض عین اور حد ضرورت میں داخل ہو جائے گا۔نیز صوفیہ کرام کا مباحات کو محرمات کے اندیشہ سے ترک کرنا اسی بنا پر ہے کہ ہوائے نفس ہے اور نفس کی جہاں تک ہو مخالفت چاہئے اس بنا پر بھوک کے وقت کھانا اور ضرورت کے وقت مجامعت بھی ہوائے نفس ہوگی۔پھر عادت کے موافق یا بغرض حصول لذت عبادت کے وقت طاعت میں مشغول ہونا ہوائے نفس کیوں نہ ہو البتہ وہ بحکم الطبع ہے اور یہ بحکم الشرع۔مگر عادت کے درجہ میں یہی عبادت بحکم الطبع میں داخل اور سبب عبادت وقوام بدن و تصحیح خیال و ازالہ مادہ فاسدہ کی نیت سے اکل و جماع بھی بحکم الشرع ہے پھر امتیاز دشوار۔غرض گو اشاعت کچھ ہو جاتی ہے مگر الزام و اسکات بلکہ اطمینان نہیں۔

الجواب : نفس انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی چیز کی خواہش کرتا ہے خواہ وہ خواہش خیر ہو یا شر اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو اس وقت امارہ کہلاتا ہے یعنی کثیرالامر بالسوء اور ہوای اسی مرتبہ کی خواہش کا نام ہے اور کبھی کبھی اس میں خیر کی بھی خواہش پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں۔ کیونکہ کثیرالامر کو دائم الامر ہونا لازم نہیں اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوامہ کہلاتا ہے اور اگر اکثر خواہش خیر کی کرے اس وقت مطمئنہ کہلاتا ہے بمعنی ساکن الی الخیر گو کبھی اس میں شر کی بھی خواہش بلا عمل احیاناً پیدا ہو جاوے کیونکہ محض انجذاب بمعنی میلان منافی سکون کے نہیں چنانچہ اجسام ثقلیہ باوجود میلان الی المرکز کے ساکن بھی دیکھے جاتے ہیں۔ البتہ اس خواہش کے مقتضاء پر عمل کرنا کہ حرکت من المقر ہے یہ البتہ منافی سکون ہے تو اس صورت میں مطمئنہ نہ رہے گا۔ غرض دونوں خواہشیں خیر کی بھی اور شر کی بھی نفس ہی کے متعلق ہیں۔ البتہ اسباب ہر خواہش کے جدا جدا ہیں بعض تو مشاہد ہیں جیسے نصیحت وصحبت نیک خواہش خیر کے لئے اور اغواء وصحبت بد خواہش شر کے لئے اور بعض اسباب غیر مشاہد ہیں جیسے القاء ملک خواہش خیر کے لئے اور القاء شیطان خواہش شر کے لئے اسی کو حدیث میں لمة الملك ولمة الشيطان اور ایعاد بالخیر اور ایعاد بالشر سے تعبیر فرمایا ہے اور بزرگوں کا مباحات کو چھوڑنا اس بناء پر نہیں کہ مباحات کی خواہش ہوائے نفسانی ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ وہ مفضی الی الھوی نہ ہو جاوے۔ اس تقریر میں تامل کرنے سے امید ہے کہ سب شبہات زائل ہو جاویں گے کیونکہ اس میں منشاء اشتباہ کا ارتفاع ہو گیا ہے اور اگر اب بھی کوئی شبہ رہے تو اس کی تقریر مکرر واضح طور پر کی جائے۔ (۶ جمادی الاخری ۲۲ ۱۳ھ)

بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے۔ لیکن کوئی ایسی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی ہے کہ پاس بیٹھ کر کچھ دل بہلانے کا سامان ہو مگر جس کوفت سے اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی اس کے بعد اس کی کوئی شکایت نہیں بلکہ ہر طرح

محل شکر ہے۔

تحقیق: امید ہے کہ ادائے حق ضروری کے لئے کافی ہو۔

حال: اب گھر میں جو کچھ اذیت کا سامان ہے وہ چھوٹے بھائی کی حالت ہے جو الآن کما کان ہے ان کے لئے روزانہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی جھوٹ اور خیانت کی عادت چھوڑا دے۔ سب سے زیادہ ان کی انہی دو باتوں سے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ دین دنیا دونوں اپنی برباد کر رہے ہیں۔ حضرت سے بھی دعا اور تدبیر کی درخواست ہے۔

تحقیق: دعا سے کیا عذر ہے باقی تدبیر سو ہم جیسے ناقصین کے لئے تو دوسرے کے لئے تدبیر کرنے سے اپنے لئے تدبیر اسلم ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ فکر خود کن فکر بیگانہ مکن۔ اور ایک وقت وہ آتا ہے جس میں کاملین کے لئے بھی یہی تجویز فرمایا گیا ہے[1] ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ الآیۃ اور وہ وقت وہ ہے جب باوجود سعی کے دوسرا نہ مانے کذا فی بیان القرآن۔ اور اس کے ساتھ بھی اگر فکر بیگانہ کا ہجوم ہو جاوے وہ مجاہدہ اضطراریہ اور موجب قرب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ حصہ حالات موجودہ کا مجاہدات اضطراریہ ہیں جن سے نہ انبیاء خالی رہے نہ اولیاء نہ دوسرے مومنین۔ گو الوان سب کے مختلف ہوتے ہیں مگر قدر مشترک سب کے لئے نعمت ہے اور سب سے بڑی اور مختصر اور جامع اور ہر وقت کے استحضار کے قابل اور ہر حالت پر منطبق اور اس کے مناسب چیز یہ ہے کہ جس حالت سے دین کا ضرر نہ ہو وہ خیر محض ہے۔ خواہ طبیعت کے ہی خلاف ہو۔ اور خواہ عمر بھر لازم حال رہے۔ بس قلب میں تو اس کو

---

[1] تمہارے ذمہ اپنی حفاظت لازم ہے دوسروں کی گمراہی سے تمہیں نقصان نہ ہوگا جبکہ تم ٹھیک

راسخ کر لیا جاوے اور زبان کو مشغول بالذکر رکھا جاوے اور اس کو اصل شغل سمجھا جاوے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی شغل کے فوت ہونے کا افسوس نہ کیا جاوے کیونکہ علاوہ عبادت موظفہ کے اور اشغال عارض کے سبب ہیں اور سب عوارض کے انصرام واختتام کے بعد باقی ہے ویدل علیہ نصوص لاتتناھی بس اس نظام کے بعد فکر اور سوچ اور ہر تمنا اور انتظار کو دل سے نکال دیا جاوے۔ انشاء اللہ تعالٰی حیات طیبہ کا صرف حصول ہی نہیں بلکہ مشاہدہ ہو جاوے گا۔ اور بعد چندے نفس بھی مطمئنہ۔

علاج بعض اقسام قبض

(از امداد الفتاوی معروف بہ فتاوی اشرفیہ ص ۱۹)

سوال : حضرت اب تو نہایت ابتر حالت ہے' وظیفہ وغیرہ سب ترک ہے اگر بجبر تسبیح لے کر بیٹھتا ہوں جی گھبراتا ہے قید شمار تسبیح سے جی الجھتا ہے تب خاموش بیٹھ جاتا ہوں' اس میں البتہ کبھی کچھ عرصہ تک خبر نہیں رہتی کہ کہاں ہوں اور کیا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شغل اشغال قطعاً بند ہیں۔ کیونکہ دل الجھتا ہے' لیکن اس کا نہ ہونا ہر دم سوہان روح ہے اور ایک بات یہ ہے کہ زیادہ اوقات میں اور کبھی کبھی ہر کام میں اور کبھی کبھی نہیں بھی دھیان اللہ کا دل میں رہتا ہے اگر کچھ تسکین اس وقت ہے تو اس سے ہے کہ اگرچہ زبانی یا بقصد تسبیح کے ذکر نہیں کرتا ہوں خیر یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی دھیان تو اپنے اللہ کا آجاتا ہے پیشتر جو سوز و گداز اور غلبہ رہتا تھا اس کا پتہ بھی نہیں ہے۔

کل صفحہ ۹۶ رسالہ تعلیم الدین پڑھ رہا تھا کہ ایک موقع جہاں پر حضور نے لغزشات سالک تحریر فرمائی ہیں نظر سے گذرا بجنسہ اپنی حالت کو اعراض حجاب تفاضل سلب مزید۔ سلب قدیم تسلی میں مبتلا پایا لیکن الحمدللہ کہ عداوت نہیں پائی

جاتی۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سالک اگر عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو راجع ہوجاتا ہے۔ تحریر مذکورالصدر کو دیکھ کر میرا دل بے قرار ہوگیا ہے اور بدحواسی سی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی بات خلاف ظہور میں آوے تو اللہ کو علم ہے۔

پیشتر اس قدر تسبیح پڑھتا تھا کہ تیس تیس ہزار تسبیح علاوہ نماز ونوافل کے روز مرہ ہوجاتی تھیں اور ایک ذوق ہوتا تھا۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے پیشتر جوش وخروش ابتدا میں تھا اب ایک معمولی حالت ہوگئی ہے کوئی نئی بات نہیں معلوم ہوتی بلکہ پیشتر سے اپنے میں بدرجہا کمی معلوم ہوتی ہے' خدانخواستہ جو عبارت تعلیم الدین میں تحریر ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ کیفیت تو نہیں ہے' مختصراً یہ عرض ہے کہ اب ذکر وغیرہ کچھ نہیں بن پڑتا ہے البتہ میرے خیال میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ فکر کچھ ضرور ہے۔ کیونکہ دل میں اللہ کی یاد کبھی کبھی ضرور رہتی ہے یہ کمی اشغال ومعمولات نہ معلوم کیوں ہوگئی بعض دفعہ اپنی تصویر مجسم اپنے روبرو بیٹھے ہوئے نظر آتی ہے۔ ہرچند آنکھ بند رہتی ہے کبھی کبھی آنکھ بند کرلینے سے جو چیز روشن ہو یا مثل رنگ آسمان کے ہو آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے سے بھی نظر آتی ہے مثلاً ایک تجربہ یہ کہ ایک روز اپنی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا سامنے دروازہ کے ایک چھجہ تھا اور اس پر کچھ کھلا ہوا مطلع اندر مکان سے نظر پڑتا تھا آنکھ بند کرکے جو دیکھا تو وہی نقشہ نظر آیا پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا بجنسہ نظر آیا۔ فقط۔

الجواب : آپ کا حال اچھا خاصا ہے۔ عبادت کے مختلف طریقے ہیں فکر بھی عبادت ہے' ذکر بلاقید عدد بھی عبادت ہے' اپنے کو ذلیل وخوار قاصر وناقص سمجھنا بھی عبادت ہے۔ غرض مقصود ہر حال میں حاصل ہے ہاں مذموم حالت دو ہیں ایک معصیت دوسرے غفلت سو یہ بفضلہ تعالیٰ نہیں ہے رہا غلبہ اور شوق یہ حالات عارضیہ میں سے ہے اس کا فقدان سالک کو مضر نہیں اور نہ یہ کیفیت بعینہ

قائم ودائم رہ سکتی ہے جن حجابات کا آپ کو شبہ ہوگیا ہے وہ محض وہم ہے اور کچھ نہیں ہے آپ بلادلیل محض تقلید سے میری تحریر پر مطمئن رہئے اور اپنے کام میں سہولت اور راحت سے لگے رہئے پریشانی سے البتہ قلب ضعیف ہوجاتا ہے جس میں مضر ہونے کا احتمال ہے غرضیکہ نہ آپ مریض نہ علاج کے محتاج البتہ فن کے نہ جاننے سے صحت کی خبر نہیں سو یہ بھی کوئی ضرر کی بات نہیں اس میں جو تحریر فرمایا ہے وہ تصرف قوۃ متخیلہ کا ہے۔اکثر حس مشترک میں الوان وانوار مرئی کے رہ جاتے ہیں جو آنکھ بند کرنے سے بھی نظر آتے ہیں یہ نہ محمود ہے نہ مذموم تردد نہ فرمائیں۔فقط۔

موذی مرض اور اس کا علاج

ایک موذی مرض کے علاج میں۔خطرہ ہرچند مواخذہ کی چیز نہیں مگر اس کا غلبہ وہجوم طبیعت کو بہت پریشان کر دیتا ہے اور انتہا درجہ کا حزن والم قلب پر طاری ہو جاتا ہے سو (یہ) امراض شرعیہ میں سے تو نہیں ہے اس حیثیت سے اس کا علاج ضرور نہیں مگر امراض طبیعہ میں سے سخت درجہ کا مرض ہے۔اس لئے اس کا علاج سہل ومجرب ومختصر یہ ہے کہ خطرہ کی حقیقت بلااختیار نفس کا کسی بری چیز کی طرف متوجہ ہوجانا ہے چونکہ یہ مسئلہ بہ ھدایت عقل وبہ تسلیم حکماء وعلماء ثابت ہے کہ نفس جس وقت ایک طرف متوجہ ہوتا ہے دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا اسی لئے جب کسی بری چیز کا خیال دل میں آوے تو اس کے دفعیہ کا قصد نہ کرے نہ اس میں نہ اس کے اسباب میں خوض کرے کہ اس سے زیادہ لپٹتا ہے بلکہ فوراً کسی نیک چیز کی طرف خیال کو متوجہ کر دے اس سے وہ برا خیال خود بخود دفع ہوجائے گا اور اگر وہ پھر خیال میں آوے پھر ایسا ہی کرے انشاءاللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کا اثر بلکہ خود وہ خطرہ ہی متخیلہ سے بالکل نکل

جائے گا۔ علاج کلی اس کا یہی ہے۔ حدیث میں جو ایسے وقت میں بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اس سے یہ علاج مستنبط ہے۔ باقی معالجات جو مشائخ کے نزدیک معمول ہیں جیسے تصور شیخ یا پاس انفاس یا تخیل نقش اسم ذات وہ سب اسی کلی کے جزئیات ہیں اور اگر خطرات سے پریشان ہو کر ضعف قلب یا خفقان یا سخافت جسم یا کسی مرض کے عروض کی نوبت آگئی ہو تو علاج مذکور کے ساتھ مقویات و مفرحات قلب وغذائے نفیس اور ادویہ مرض عارضی کا استعمال بھی کیا جانا ضرور ہے۔ چونکہ بعض سالکین کو یہ عقبہ پیش آتا ہے جس سے ان کے ظاہری و باطنی انتظام میں خلل پڑ جاتا ہے۔

نوٹ متعلقہ ضمیمہ بالا: (از مؤلف سوانح) چونکہ قریب زمانہ ہی میں خود حضرت والا کو یہ عقبہ سخت پیش آچکا تھا اس لئے نہایت بصیرت کے ساتھ دیگر اہل ابتلاء کے لئے یہ علاج اکسیر و مجرب تحریر فرمادیا گیا۔ (اشرف السوانح ص ۲۷۸)

(ب) نقل مضمون (متعلق حدیث ان اللہ تجاوز لامتي عما حدث به انفسها الخ) ملقب به الحصحصه في حکم الوسوسه جز و التشرف جلد سوم زیر عنوان "علاج الوسوسۃ باستحضار العفو عنہا" ۱۲)

حدیث: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات سے تجاوز فرمادیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں یا ان کو عمل میں نہ لاویں۔ عزیزی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سینہ میں جو وسوسہ پیدا ہوں خفی نے کہا ہے کہ (خیال) کے مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس دوسرا خاطر تیسرا حدیث النفس چوتھا ھم پانچواں عزم۔ پس جب کوئی بات قلب میں ابتداءً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں۔ پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ

کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اسکی آمدورفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا' اس کو خاطر کہا جاتا ہے۔ جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اس کو حدیث نفس کہتے ہیں۔ سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہے۔ پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا۔ پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ مرجوح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اس کو ھم کہتے ہیں۔ اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر شر میں ہے۔ پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اس کو عزم کہتے ہیں اس پر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے اگر شر میں ہے اھ۔

میں کہتا ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے یعنی ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس' سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا تو حدیث صحیح سے ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہاجس وخاطر پر) عدم مواخذہ بالاولیٰ ہے کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس وخاطر جو کہ اس سے اَہوَن واَدوَن ہیں) بدرجہ اولیٰ معاف ہوں گے۔

اور اگر تم کو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بناء پر حدیث کی معافی کا حکم اس پر موقوف ہے کہ حدیث میں (حدیث النفس کے) اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اس کی کیا دلیل ہے پس اس خلجان کو اس طرح دفعہ کرو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے

اور نصوص معنی لغویہ ہی پر محمول ہوتے ہیں جب تک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہوجاوے اور یہاں طاری نہیں ہوئی پس لغوی معنی ہی مراد ہوں گے اور لغوی معنی (حدیث النفس کے) وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔ خوب سمجھ لو۔ اور ہاجس پر عدم مواخذہ کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شئے وارد ہوگئی جس پر اس کو نہ قدرت ہے نہ اس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اس کے بعد ہے اگرچہ یہ شخص اس کے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہاجس کے اول ہی وارد ہونے کے وقت اس کو ہٹا دے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جاوے) لیکن چونکہ یہ خاطر حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لئے یہ خاطر بدرجہ اولیٰ معاف ہے اور اس میں اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضاء یہ ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو پھر امت مرحومہ کا (یہ) اختصاص (کہ وساوس پر مواخذہ نہیں ہوتا) اگر مراتب مذکورہ میں سے غیر اختیاری کے اعتبار سے ہے (کہ غیر اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری امم سے ہوتا تھا) تب تو امم سابقہ کو امور غیر اختیاریہ کے ساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات شرعی کا منافی ہے (جیسے لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کہ ظاہراً اس میں نفس عام ہے لاحق اور سابق کو) اور اگر اختیاری کے اعتبار سے ہے تو خود ایک اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودے کہ اختیاری ہونے میں دونوں شریک ہیں۔ وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار سے ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اس کے لئے قصد کی ضرورت ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہوجاتا ہے۔ پس ہاجس (اس ذہول کی حالت میں) اکثر خاطر اور حدیث النفس کی طرف (بلا قصد)

ہو جاتا ہے سواس (خاطر وحدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں (کیونکہ یہ بلیں معنیٰ اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا۔ جب دفع نہ کیا تو بقاء اختیاری ہوا اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلّف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ تھا) لیکن رحمت آلہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو معاف کر دیا جیسے اصر واغلال (بوجھ اور اطواق یعنی احکام شدیدہ) کہ جو امم سابقہ پر تھے اس امت سے ہلکا کر دیا پس یہ مرتبہ اختیاری ہے لیکن اس میں شدت تھی اسلئے یہ اصر واغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو ہاجس اس کی طرف اس طرح سے مفضی نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے پس یہ فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفو وہ افضاء ہوا جو ذہول کے سبب سے ہوا اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا (جب یہ بات ہے) تو اگر گناہ کا حدیث النفس بھی عزم مستقل سے ہو اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم عورت کے تصور سے (قصداً) لذت حاصل کرنا سو ظاہر یہ ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا اور ایسا التذاذ میرے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس (بھی زنا کرتا ہے اور اس کا زنا یہ ہے کہ وہ) تمنا کرتا ہے اور اشتہاء کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ قلب میلان کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہاء و میلان کے ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا ہوا) اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا وساوس کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے ہیں (اور اسی حیثیت سے اس رسالہ میں یہ حدیث لائی گئی ہے) اور بعض اکابر (جیسے امام غزالیؒ) کا کلام اس مقام پر اور طرح ہے لیکن اصل مقصود نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقتاً غیر اختیاری ہو خواہ حکماً) (ویلقب بیان هذ الحديث بالحصحصة في حكم الوسوسة.)

صحبت شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبت شیخ جبھی نافع ہوتی ہے۔ جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔ بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اور بعضے زیادہ وقت تو صحبت شیخ میں گذار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکال کر کچھ الٹا سیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہئے تب صحبت شیخ نافع ہوتی ہے۔ اھ۔

حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ نہ اتنی زیادہ مقدار ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہئے جس میں تعب تو ہو لیکن جس کی مداومت قابل عمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لئے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ اھ۔

(مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جس پر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کر لے۔ اس میں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہے گی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھے گی۔ اھ)

یہ تو کمیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں۔ اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیونکہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جس میں زیادہ دل لگے۔ لیکن اس کا خاص خیال رکھے کہ قلب میں ورد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہو۔ اگر کسی کا طرز ہی روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں۔

ایک طالب نے حب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمدللہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ

سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح فارس ومشاہدہ غنائم کے وقت یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے (زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الآية (جعل رضی اللہ عنہ المزين هو الله تعالي وهو احد وجوه الآية) جب آپ نے یہ حب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اسلئے ہم اس کے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے۔ البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حب کو اپنے حب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہوجاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سد باب ہوجاوے کہ جبلیات کا ان کے مصرف میں صرف ہونا یہی ان کی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اسمیں اپنے ضعف اور حکمت تخلیق مال کی طرف بھی اشارہ فرمادیا) اوریہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں (قُلْ ان كَانَ اٰبَاءُ كُمْ وابناء كم الي قوله تعالي اَحبَّ اليكم مِنَ الله ورسوله (علق الوعيد بالاحبية لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہوجاتے ہیں۔

ایک باطن قلب ہے جو مرکز پر ہے۔اور ایک ظاہر قلب ہے جو محیط پر دور کرتا ہے۔باطن قلب خدا کی یاد میں مشغول ہے اور ظاہر قلب کمانے میں مصروف ہے۔بلکہ اس محیط پر چلنے والے کو یہی حکم ہے۔کہ چلاؤ ورنہ دائرہ کیسے قطع ہوگا۔ وہ دائرہ کیا ہے۔بیوی بچوں کا نان ونفقہ۔قلب کے اسی ظاہر اور باطن کے متعلق متنبی کہتا ہے۔(باطن قلب اور ظاہر قلب اشرف المسائل ص ۱۲۳)

عذل العواذل حول قلبي التائه

وهو الاحبة عنه في سودائه

یعنی ملامت کرنیوالیوں کی ملامت قلب کے ارد گرد ہے اور احباب کی

محبت سویداء قلب میں ہے۔پس سویداء قلب۔جو اندرون قلب ہے۔وہ غیر متحرک ہے جب اس میں خدا کا ذکر اور محبت جم جائے گی۔تو پھر حرکت نہیں ہوگی۔اس کی علامت یہ ہے کہ خوشی اور غم دونوں حالتیں یکساں ہونگی۔خوشی ہے تو الحمدللہ اور غم ہے تو الحمدللہ۔کیونکہ وہاں نہ غم مطلوب ہے نہ خوشی مطلوب ہے۔مطلوب تو ان کی رضا ہے؎

بس زبون وسوسہ باشی دلا　　　گر طرب را باز دانی از بلا

(ایضاً ص ۱۸)

؎

قال رابگذار مرد حال شو　　　پیش مرد کاملے پامال شو

نور فہم تقویٰ اور حال سے پیدا ہوتا ہے۔اور حال پیدا ہوتا ہے کسی کی جوتیاں سیدھی کرنے سے کیونکہ یہ نفس بدون اس کے سیدھا نہیں ہوتا۔جب تک اپنے کو کسی کامل کے اس طرح سپرد نہ کرو گے کہ وہ تمہاری ذات میں جو چاہے تصرف کرسکے اس وقت تک شہوات واغراض نفسانیہ سے نجات نہیں ہوسکتی۔(محاسن الاسلام ص ۲۱)

صوفیہ جو مراقبات واشغال تعلیم کرتے ہیں۔ان سے محض یہی یکسوئی وجمعیت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔(ایضاً ص ۶۶)

بدلیعہ رفع اشکال از آیت ربنا اٰتنا في الدنیا حسنة

ارشاد ہے ﴿فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا في الدنیا وماله في الاخرة من خلاق﴾ یعنی بعض آدمی تو وہ ہے جو (دعا میں) یوں کہتا ہے کہ اے پروردگار ہم کو (جو کچھ دینا ہو) دنیا ہی میں دے دے اور اس کے لئے آخرت

میں کوئی حصہ نہیں' یہ تو کافر ہے کیونکہ جس کو آخرت میں کچھ نہ ملے وہ کافر ہی ہے مسلمان اس کا مصداق نہیں ہوسکتا آگے دوسری قسم ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.﴾ (ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمیں دنیا میں خیر دیجئے اور آخرت میں بھی خیر دیجئے اور نار کے عذاب سے بچایئے ۱۲) اس آیت کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ مصداق وہ مسلمان ہیں جو طالب آخرت ہیں۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ جب یہ لوگ مسلمان طالب آخرت ہیں تو انہوں نے دنیا کیوں مانگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دنیا کو کہاں مانگا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے ربنا آتنا في الدنيا دنیاً تو نہیں فرمایا۔ اگر یوں فرماتے تو بے شک طلب دنیا مفہوم ہوتی مگر نص میں تو رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (اے رب ہمیں دنیا میں خوبی دیجئے) وارد ہے۔ جس میں مطلوب حسنہ ہے اور دنیا محض ظرف ہے پس اس سے طلب دنیا لازم نہیں آتی۔ بلکہ طلب حسنہ فی الدنیا لازم آئی اس لئے ان کو طالب دنیا کہنا غلط ہے بلکہ وہ تو طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔

اس پر شاید سوال ہو کہ پھر ان کو طالب آخرت کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ طالب حسنہ فی الآخرہ کہنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلب آخرت کے تو معنی یہی ہیں کہ طالب حسنہ ہو۔ اب چاہے تم اس کو طالب آخرت کہو یا طالب حسنہ فی الآخرہ کہو۔ دونوں برابر ہیں۔ اس پر اگر تم کہو کہ پھر ہم بھی طالب دنیا نہیں ہیں بلکہ طالب حسنہ فی الدنیا ہیں۔ یعنی مال و دولت حسنہ ہے اور ہم اس کے طالب ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حسنہ سے مراد حسنہ واقعیہ ہے نہ کہ حسنہ مزعومہ۔ اور یہ شریعت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حسنہ واقعیہ کیا ہے۔ اور جس چیز کے تم طالب ہو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہو مگر شرعاً تو وہ حسنہ نہیں ہے پس شریعت پر فیصلہ ہے۔ پس اس آیت کا مصداق وہی شخص ہوسکتا

ہے جو حسنہ شرعیہ کا طالب ہو۔ اور حسنہ شرعیہ سے بھی وہ مراد ہے جو حقیقۃً حسنہ شرعیہ ہو۔ محض صورۃً ہی حسنہ نہ ہو کیونکہ بعض افعال صورۃً دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقۃً دین نہیں ہوتے۔ ہم ان سے بھی منع کرتے ہیں۔

اس سے آپ کو ہمارے انصاف کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم صرف صورت دنیا ہی کے مخالف نہیں بلکہ دنیا بصورت دین کے بھی مخالف ہیں۔ جیسے بدعات وغیرہ کو گو ظاہر میں وہ دین کے کام معلوم ہوتے ہیں مگر ان سے بھی منع کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کہتے ہیں مانع عن اللہ کو۔ اور یہ مال و دولت ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بعض ایمان بھی مانع عن اللہ ہوتا ہے۔ جیسے وہ ایمان جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں[1] ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی ظاہری ایمان جس میں حقیقت کا پتہ نہ ہو۔ ایسے ہی بعض اعمال بھی جو صورۃً دین ہیں مگر حقیقت دین ان میں موجود نہیں، مانع عن اللہ ہیں۔

یہاں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم صرف طالبان دنیا ہی کی مذمت نہیں کرتے۔ بلکہ بعض طالبان دین کی بھی مذمت کرتے ہیں جو حقیقت میں دین کی صورت میں دنیا ہی کے طالب ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت مولانا فرماتے ہیں

؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہر دستے نباید داد دست
گر بصورت آدمی انساں بدے   احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بدے
ایں کہ می بینی خلاف آدم اند   نیستند آدم غلاف آدم اند

ترجمہ: (۱) بہت سے ابلیس انسان کی صورت کے ہیں اس لئے ہر ایک کے ہاتھ

---

[1] اور ان لوگوں میں سے بعضے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔ ۱۲

میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ (۲) ہر آدمی کی صورت کا انسان ہوجاتا تو احمد اور بوجہل یکساں ہوجاتے۔ (۳) یہ جو بہت سوں کو انسانیت کے خلاف دیکھتے ہو یہ آدم نہیں بلکہ آدم کے روپ میں ہیں۔ ۱۲ط)

بہرحال اس میں تو شک نہیں کہ پہلی آیت کا مصداق کافر ہے اور دوسری آیت کا مصداق مومن۔

عام مفسرین نے تو یہی دو قسمیں سمجھی ہیں۔ اور آگے ومن الناس من یعجبك سے مستقل کلام لیا ہے۔ مگر قاضی ثناءاللہ صاحب ؒ نے مجموعہ کلام میں چار قسمیں سمجھی ہیں دو تو وہی جو ابھی مذکور ہوئیں اور دو من الناس من یعجبك الخ اور من الناس من یشری الخ۔ خلاصہ فرق دونوں توجیہوں کا یہ ہے کہ عام مفسرین کے نزدیک تو یہاں پر دو قسمیں ہیں تقسیم اول انسان کی تقسیم ہے۔ مومن و کافر کی طرف تقسیم ثانی انسان کی تقسیم ہے۔ منافق اور مخلص کی طرف۔ مگر یہ اقسام باہم جمع ہوسکتی ہیں چنانچہ کافر و منافق جمع ہوسکتے ہیں اور مومن و مخلص جمع ہوسکتے ہیں اس تقسیم کی ایسی مثال ہے جیسے نحاۃ نے کلمہ کی تقسیم کی ہے اسم فعل و حرف کی طرف پھر دوبارہ تقسیم کی ہے مذکر و مونث کی طرف و علی ہذا۔ تو یہ اقسام باہم جمع ہوسکتی ہیں یہ تو جمہور مفسرین کی توجیہ کا حاصل ہے۔ اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ایک ہی تقسیم ہے اور مقسم بھی واحد ہے۔ یعنی انسان مقسم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ مومن و کافر۔ پھر کافر کی دو قسمیں ہیں۔ مجاہر و منافق۔ اور مومن کی دو قسمیں ہیں ایک طالب آخرت اور ایک طالب حق۔ پس کل چار قسمیں متبائن ہوگئیں۔ کافر مجاہر اور کافر غیر مجاہر اور مومن طالب آخرت مومن طالب حق بدون التفات الی الآخرت بدون اس کے کہ آخرت کا طالب ہو۔ ﴿فَمِنَ النَّاس مَن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الاٰخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ.﴾ میں کافر مجاہر کا ذکر ہے جو کہ دنیائے محضہ کا طالب ہے اور منهم من یقول ربنا اتنا في الدنیا

حسنه . الخ میں مومن طالب آخرت کا ذکر ہے اورمن الناس من یعجبك قوله میں کافر غیر مجاہر یعنی منافق کا ذکر ہے اور من الناس من يشري نفسه میں مومن طالب حق کا ذکر ہے جو محض طالب رضاء ہے آخرت اور دنیا دونوں کی طرف ملتفت نہیں۔

بقول ایک صاحب حال کے

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　اب تو آجاؤ تو خلوت ہوگئی

ومن لم يذق لم يدر رزقنا الله هذا الذوق في حياتنا وقت مماتنا ولنختم الكلام مستعنين برحمة الله العلام.

مقالات حکمت

وساوس کفریہ

(مضمون) بعض اوقات تو اپنے خیالات ووساوس کو بالکل کفریہ (خدا کرے کہ نہ ہوں) سمجھ کر سخت مایوسی اور یاس کے عالم میں ہوجاتا ہوں۔

(جواب) کفر کیا، وہ تو معصیت بھی نہیں ذرا اندیشہ نہ کریں وسوسہ پر ذرا مواخذہ نہیں بلکہ اس میں ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے قرب بڑھتا ہے۔ اور شیطان اس راز سے ناواقف ہے ورنہ کبھی وسوسہ نہ ڈالے۔

حوادث سے ایمان بڑھ جاتا ہے

آج کل جو حضور مع اللہ کی کیفیت محسوس ہوتی ہے اس کی بابت یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ کہیں ضعف دماغ سے تو مسبب نہیں ہے کیونکہ جس دن نیند

پوری نہیں ہوتی اور دماغ میں یبس غالب ہوتا ہے اس دن میری قوت تصور خاص طور سے زیادہ ہوجاتی ہے ۔الخ

جواباً حضرت نے فرمایا ماشاء اللہ بہت اچھی حالت ہے۔یبس کے غلبہ سے زیادت ہونے سے اصل کیفیت کا اس یبس سے مسبب ہونا لازم نہیں آتا اگر اصل کیفیت پہلے سے نہ ہوتی تو یبس سے زیادت کہاں سے آجاتی۔جس طرح اصل محبت قلب میں ہو اور تجدد نعمت سے وہ بڑھ جاوے تو اس سے یہ تھوڑا ہی لازم آیا کہ اصل محبت اس نعمت ہی سے ہے یا اس سے اس محبت کے ضعف کا شبہ کیا جاوے۔قرآن مجید میں ہے کہ اہل ایمان کے ایمان میں نزول آیات بلکہ وقوع حوادث کے وقت ایمان بڑھ جاتا تھا قال اللہ تعالیٰ ﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيمَانًا. الآیۃ﴾

درود شریف میں رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ سیدنا بڑھانا

(۱) درود شریف میں حضور سرور عالم ﷺ کے اسم مبارک کے قبل لفظ سید بڑھانے کا ذکر تھا۔فرمایا کہ حضرات علماء سے دونوں ثابت ہیں سید کہنا بھی اور نہ کہنا بھی۔ایک میں یعنی بڑھانے میں کمال محبت ہے اور ایک میں یعنی نہ بڑھانے میں کمال متابعت۔کیونکہ شارع سے منقول نہیں۔اپنا اپنا ذوق ہے اگر کوئی حدیث کی بناء پر کہ اس میں لفظ سید نہیں آیا سید نہ کہے تو کمال متابعت ہے اور اگر کوئی کہے تو یہ کمال ادب ہے۔

(۲) صوفیہ کرام کے یہاں سب طریقوں کی گنجائش ہے کسی پر تنگی نہیں۔گو خواہ ادب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں مگر دوسروں پر بھی نکیر

نہیں کرتے ۔ سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ۔ اگر کوئی درود شریف میں لفظ
سید نہیں بڑھاتا اس کو بھی محمول کرتے ہیں کمال متابعت پر ۔ اسی طرح ان کے
یہاں کا مسلم مسئلہ ہے کہ طریق الوصول الي الله تعالٰي بعدد انفاس الخلائق
. یعنی وصول کے بیشمار طریق ہیں ۔ غرض جتنی گنجائش کی صورتیں نکل سکتی ہیں
نکالتے ہیں ۔ اور سب کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ۔ (اشرف السوانح جلد سوم)

شیخ طریقت کا ولی ہونا ضروری نہیں لیکن اگر شیخ ولی یعنی متقی ہو گا تو اسکی تعلیم میں برکت ہوگی

شیخ طریقت کا ولی ہونا ضروری نہیں :

فرمایا کہ اگر کوئی شخص اصلاح اخلاق کے فن کو جانتا ہو اور تربیت باطن
کے طریقوں سے واقف ہو تو اس شخص کی نسبت یہ تو جائز ہے کہ اس کو شیخ کہا
جاوے لیکن کسی شخص کی نسبت یہ دعوی کرنا کہ وہ ولی ہے جائز نہیں کیونکہ شیخ
تو اس کو کہتے ہیں کہ جو فن تربیت سے واقف ہو اور کسی کی فن دانی کا علم
دوسرے شخص کو ہوسکتا ہے اور اس علم کی بناء پر اس فن کے جاننے کا حکم بھی
صحیح ہوسکتا ہے ۔ بخلاف ولایت کے کہ ولایت نام ہے عنداللہ تعالٰی مقرب
ومقبول ہونے کا اور اس کا علم کسی کو نہیں ہوسکتا (یعنی یقین کے ساتھ نہیں
ہوسکتا گو آثار وعلامات سے ظن ہوسکتا ہے مگر دعوی جازم کے لئے ظن کافی
نہیں)

جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہر اس شخص کو جو فن تربیت باطنی سے واقف ہو
شیخ کہہ سکتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص شیخ طریقت ہو
مگر ولی نہ ہو ۔ اس طرح سے کہ وہ متقی نہ ہو ۔ کیونکہ شیخ کہتے ہیں فن داں کو
اور فن دانی کے لئے تقوٰی طہارت شرط نہیں ۔

مگر اس پر ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ پھر شیخ کامل کی علامت میں تقوٰی

طہارت کو کیوں داخل کیا گیا ہے کیونکہ طالب کو تو صرف تعلیم و تربیت مقصود ہے اور یہ مقصود ہراس شخص سے حاصل ہوسکتا ہے جواس فن کو جانتا ہو عام اس سے کہ وہ متقی ہو یا غیر متقی۔ تواس کا جواب یہ ہے کہ شیخ کامل کے شرائط میں جو تقویٰ کو داخل کیا گیا ہے تواس کی وجہ یہ ہے کہ غیر متقی کی تعلیم و تربیت میں وہ برکت نہیں ہوتی جوایک متقی شیخ کی تعلیم میں ہوتی ہے۔

اوراس فرق کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیخ متقی اپنے متعلقین کی تعلیم و تربیت میں موید من اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یعنی شیخ متقی کے قلب میں طالب کی اصلاح کے متعلق ایسے مفید اور لطیف طریقے وارد ہوتے ہیں جن سے غیر متقی محروم ہوتا ہے مثلاً اگر شیخ متقی ہے تو اس کی تعلیم کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ اس کی ذرا سی تعلیم سے طالب کے سالہاسال کے امراض بہت جلد زائل ہوجاتے ہیں۔ بہ خلاف غیر متقی کے کہ اس کی تعلیم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس لئے طالب کو شیخ متقی تلاش کرنا چاہئے۔ اس برکت کے اعتبار سے کامل شیخ وہی ہے جو متقی بھی ہو۔ اسی وجہ سے شیخ کی شرائط میں تقویٰ وطہارت کو داخل کیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بدون تقویٰ وطہارت کے شیخ کامل بالمعنی مذکور نہیں ہوسکتا گو مطلق شیخ ہوسکتا ہے۔ (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۷۲)

ملکات نفسانی یا جبلیات جبلی ہوتے ہیں۔ انکا ازالہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ انسان اسکا مکلف نہیں

ملکات نفسانی جبلی :

(۱) ایک طالب نے اپنے بعض نفسانی ملکات کو ظاہر کر کے حضرت والا سے ان کی اصلاح چاہی اور ان کے ہونے پر سخت غم واندوہ کا اظہار کیا کہ یہ مجھ میں کیوں ہیں۔ حضرت والا نے فوراً تسلی فرمائی اور اس تسلی بخش عنوان سے کہ ایسے ملکات سے کون خالی ہے یہ تو مجھ میں بھی ہیں۔ ان کے زائل کرنے کی تو

فکر ہی بیکار ہے کیونکہ یہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی۔ نہ انسان جبلی امور کے بدلنے کا مکلف ہے کیونکہ ان کا بدلنا غیر اختیاری ہے۔ البتہ ان کے مقتضاء پر عمل کرنا جبلی نہیں نہ غیر اختیاری ہے۔ لہٰذا ہمت کر کے اختیار سے کام لیا جائے اور ان ملکات کے مقتضا پر عمل نہ ہونے دیا جائے۔ باقی نفس ملکات چاہے جیسے فاسد ہوں وہ اس وقت تک مطلق قابل افسوس نہیں جب تک ان پر عمل نہ ہو بلکہ ایک معنی سے قابل مسرت ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے عمل میں مشقت ہوتی ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا رومی ؒ فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است　　　که از و حمام تقوی روشن است

(اشراف السوانح حصہ سوم ص ۲۶۲)

پھر فرمایا کہ ایسا شخص دوسروں کی خوب تربیت کر سکتا ہے اور نفس کی باریک سے باریک چوریاں بھی پکڑ سکتا ہے کیونکہ اس کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔ اھ

ملکات رذیلہ کے متعلق حضرت والا اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ ملکات رذیلہ کا ازالہ نہیں امالہ کیا جاتا ہے اور یہ ارشاد بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ انسان کے اندر جتنی جبلی صفات ہیں وہ سب محمود ہیں البتہ ان کا بے موقع استعمال کرنا مذموم ہے اس ارشاد کو نقل فرما کر حضرت والا اس کی شرح میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ شیوخ کاملین ملکات رذیلہ کا ازالہ نہیں کرتے نہ ان کا ازالہ ہو سکتا ہے بلکہ امالہ کر دیتے ہیں۔ جیسے اگر انجن الٹا چل رہا ہو تو اس کے اندر جو بھاپ ہے اس کو تو باقی رکھنا چاہئے کیونکہ بھاپ تو فی نفسہ بڑے کام کی چیز ہے ہاں انجن کی کل کو موڑ دینا چاہئے تاکہ بجائے الٹا چلنے کے وہ سیدھا چلنے لگے اور بہت جلد منزل مقصود تک پہنچ جاوے۔

(اشرف السوانح جلد ۳ ص ۲۶۵)

غصہ کا ہر درجہ مذموم نہیں

ایک طالب کو غصہ کا نہایت سہل علاج بطور کلیہ کے تحریر فرمایا۔ کہ غصہ کے اقتضاء پر عمل کرنے کا ہر درجہ مذموم نہیں مگر چونکہ اکثر درجہ مباحہ سے تجاوز ہوجاتا ہے اس لئے بطور علاج کے بعض درجات مباحہ سے بھی روکا جاتاہے اس بناء پر ان سب صورتوں میں مشترک علاج یہ ہے کہ غصہ کے وقت کلام بالکل نہ کیا جائے۔ جب ہیجان بالکل ضعیف ہوجائے اس وقت ضروری خطاب کا مضائقہ نہیں اور اگر اس خطاب کے دوران میں پھر ہیجان عود کر آوے پھر ایسا ہی کیا جاوے۔ اھ

انھیں طالب کا پھر دوسرا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا کہ ارشاد فرمودہ علاج سے الحمدللہ غصہ کے مرض کا استیصال ہوگیا۔ اب اس کے مقتضاء پر عمل نہیں ہوتا نیز غصہ آنا بھی بہت کم ہوگیا ہے اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا۔ کہ مبارک ہو مگر احتیاطاً اس علاج کا استحضار اب بھی رکھا جاوے بعض اوقات ذہول سے عود کر آتا ہے۔ اھ

ولی کی پہچان

فرمایا ولی کی دو قسمیں ہیں ایک ولی کامل' دوسرے ولی متوسط۔ ولی متوسط کی پہچان تو آسان ہے کیونکہ اس میں بعض ایسی صفات ہوتی ہیں کہ جن کو عوام الناس بھی علامات ولایت سمجھتے ہیں بخلاف ولی کامل کے کہ اس کے اندر کوئی امتیازی شان نہیں ہوتی بلکہ ولی کامل کی شان بالکل انبیاء علیہم السلام کی سی ہوتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی سادگی کا یہ حال تھا کہ کفار ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ (مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ) کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ

جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی کھاتے پیتے ہیں جیسے ہم اپنے انتظام معاش کے لئے بازاروں میں آتے جاتے ہیں یہ بھی آتے جاتے ہیں۔اسی وجہ سے ولی کامل کی شناخت ہر شخص کا کام نہیں بلکہ بہت مشکل ہے حتیٰ کہ عوام تو کیا بعض اوقات ایک ولی کو دوسرے ولی کی پہچان مشکل ہے۔اسی لئے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد یہ صحیح نہیں کیونکہ اولیاء کی شانیں مختلف ہوتی ہیں تو ایک شان کا ولی دوسری شان والے کو کیسے پہچانے گا بلکہ صحیح یہ ہے کہ ولی رانبی می شناسد کیونکہ نبی میں سب شانیں کمالات کی جمع ہوتی ہیں اس لئے اولیاء کی شانوں کی بھی ان کو معرفت ہوتی ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

فرمایا کہ شیخ کامل وہ ہے جو اپنے مقام سے اتر کر طالب کی تعلیم و تربیت کرے کیونکہ اگر شیخ نے طالب کے مقام پر نزول نہیں کیا بلکہ اپنے مقام پر رہ کر طالب کی تربیت کرنا چاہے تو اس سے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا جیسے کہ استاد کامل وہ ہے کہ جب وہ کسی اپنے شاگرد کو میزان پڑھائے تو شاگرد کے مقام پر اتر کر میزان پڑھائے اور جو استاد اپنے مقام پر رہ کر میزان پڑھانا چاہے گا تو وہ استاد کامل نہیں۔نہ اس سے اس کے شاگرد کو کچھ نفع پہنچے گا۔(اشرف السوانح جلد دوم)

اہل حق اور اہل ناحق کے تصرفات میں فرق

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اہل باطل بھی تصرفات لوگوں پر کرتے ہیں اور بعض اہل حق بھی اپنے مریدوں پر تصرف کرتے ہیں۔تو کیا اہل حق اور اہل باطل کے تصرفات میں کچھ فرق ہوتا ہے۔فرمایا کہ ہاں فرق ہوتا ہے اور اس فرق کی جو وجہ ہے وہ عجیب ہے جو ابھی سمجھ میں آئی ہے فرق یہ ہے کہ اہل حق

کے تصرفات اتنے قوی نہیں ہوتے جتنے اہل باطل کے تصرفات قوی ہوتے ہیں۔
اور اہل حق کے تصرفات کے اتنے قوی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تصرفات کے اثر کی قوت کا دارومدار قوت خیالیہ پر ہے اور خیال میں قوت ہوتی ہے یکسوئی سے تو اور اہل حق کو اس خیال میں جو غیر ذات حق کے متعلق ہو زیادہ یکسوئی نہیں ہوتی کیونکہ اہل حق کے دل میں تو صرف ایک ہی ذات بسی ہوئی ہوتی ہے لہٰذا وہ اگر دوسری طرف توجہ کرتے بھی ہیں تب بھی وہ چیز جو ان کے دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے ان کے دل سے نہیں نکلتی بلکہ بار بار ان کے دل میں وہی خیال حق تعالیٰ کا آتا رہتا ہے لہٰذا غیر حق کی طرف جو ان کی توجہ ہوتی ہے اس توجہ میں ان کو پوری یکسوئی نہیں ہوتی بلکہ غیر کی طرف اتنی توجہ کو کہ جس میں حق تعالیٰ کا خیال بالکل ہی نہ آئے یا مضمحل ہو جائے وہ حضرات خلاف غیرت بھی سمجھتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ خواجہ عبید اللہ حرار ؒ نے فرمایا ہے کہ عارف راہمت نہ باشد۔
ہمت 'اصطلاح عارفین میں تصرف کو کہتے ہیں۔ اور خلاف غیرت سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ مذاق ہوتا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

تو چونکہ اہل حق کی وہ توجہ جو غیر حق کی طرف ہوتی ہے ضعیف درجہ کی ہوتی ہے اس وجہ سے اہل حق کو اس خیال میں جو غیر حق کے متعلق ہوتا ہے پوری یکسوئی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس خیال میں قوت بھی نہیں ہوتی اور قوت خیالیہ ہی پر دارومدار تھا تصرف کے اثر کی قوت کا لہٰذا اہل حق کے تصرفات میں اتنی قوت بھی نہیں ہوتی جتنی اہل باطل کے تصرفات میں ہوتی ہے۔
ایک صاحب نے عرض کیا کہ قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے میں کیا مصلحت ہے جہاں سے چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے۔

جواب۔ فرمایا اسمیں تین مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر پر جاکر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصال ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے۔ دوسرے باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردہ کو ذکر سے انس ہوتا ہے خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جاوے یا زور سے۔ حق تعالیٰ مردہ کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین بھی سنتے ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی ان کو حاضر ناظر سمجھنے لگے۔ تیسرے یہ بھی ہے کہ ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے بھی مردہ کو راحت پہنچتی ہے۔

جواب۔ فرمایا کہ عبادت مالیہ کا ثواب بہ نسبت عبادت بدنیہ کے مردہ کے حق میں زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ مسئلہ خود اہل سنۃ والجماعۃ میں مختلف فیہ ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب بھی مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے عبادت بدنیہ کا نہیں پہنچتا۔ اور اماموں کے نزدیک بھی یہی بات ہے۔ البتہ ہمارے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ بہرحال عبادت مالیہ کے ثواب کی افضلیت مردہ کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے وجدان میں مردوں کو برابر ثواب پہنچتا ہے تقسیم ہوکر نہیں پہنچتا لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کا گمان غالب اس کے خلاف تھا۔ عرض کیا گیا حضور کا گمان غالب کیا ہے۔ فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ کسی گمان کی ضرورت ہی نہیں پھر فرمایا کہ ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر علیحدہ بھی صرف حضور ﷺ کی روح مبارک کو ثواب بخش دیا کرے خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قل ھواللہ پڑھے ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائے گا۔ پھر اپنا معمول بیان فرمایا کہ میں جو کچھ روز مرہ پڑھتا ہوں اس کا ثواب حضور کو

اور تمام انبیاء و صلحاء و عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے یا موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے سب کو بخش دیتا ہوں اور کسی خاص موقعہ پر کسی خاص مردے کے لئے بھی کچھ پڑھ کر علیحدہ بخش دیتا ہوں استفسار پر فرمایا کہ زندوں کو بھی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ)

بدلیعہ غلطی در معنی آیت و اذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی

اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر۔ اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ اور یہاں سے بعض واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ یہ آیت یعنی ﴿وَاِذَا قَامُوْا اِلَي الصَّلٰوۃِ قَامُوْا كُسَالٰي﴾ (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ۱۲) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔

حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو یہ وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں۔ نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے۔ اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہونا آیت ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اور (اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ منازعت نفس کی وجہ سے اس میں دشواری آجائے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں

کو پامال کیا جاتا اور اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے۔تو اس منازعت دکشاکشی کی وجہ سے دشواری آجاتا یسر فی نفسہ کے خلاف نہیں اسی لئے قرآن میں ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ سے پہلے ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ (اوراللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو) بھی آیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ کی بھی ضرورت ہے۔ پس ایک جزو ہی کو مت دیکھو دونوں جزوں کو ملاؤ تو حاصل وہی نکلے گا جو میں نے عرض کیا ہے۔اب سنئے ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشاء منازعت نفس ہے یہ منافقین کے ساتھ خاص نہیں۔

اور دوسرا اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا ورسول پر ہی ایمان نہیں ہے۔محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ پڑھے گا بلکہ بیگار سی ٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔یہ کسل منافقین کی شان ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی ایسی شان ہو۔بہرحال اعمال شرعیہ میں مجاہدہ کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے۔ مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی اور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ منتہی کو کم۔اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ

میں لذت روحانیہ اور لذت نفسانیہ میں فرق بتلاتا ہوں۔تاکہ ذاکرین دھوکہ سے بچتے رہیں۔اور حظوظ نفس کے طالب نہ ہوں۔یادرکھو۔ذکروشغل اور نماز وغیرہ سے جو روح کو کیفیات حاصل ہوتی ہیں وہ نہایت لطیف ہوتی ہیں کہ لطافت کی وجہ سے ان کو کیفیت کہنا بھی مشکل ہے۔وہ غلبہ کے ساتھ وارد

نہیں ہوتیں اوران کی علامت یہ ہے کہ یوماً فیوماًان میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور کیفیات نفسانیہ کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے۔جن میں بعض دفعہ حدود شرعیہ سے بھی انسان نکل جاتا ہے۔گو یہ اس میں مجبور ومعذور ہو۔مگر یہ کیفیت مطلوب ومقصود نہیں اور نہ ان کے لئے بقاء ہے۔بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یہ غلبہ جاتا رہتا ہے۔کیفیت روحانیہ اور لذت روحانیہ کی حقیقت وہ ہے جس کو ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔جعلت قرۃ عيني في الصلوۃ (کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے)اس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے جس کو یہ ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔مگر اس کی علامت یہ ہے کہ نماز سکون اوراطمینان سے ادا کرے۔جلدی نہ کرے اور کوئی چیز اس کو نماز سے مشغول نہ کرے۔یعنی نماز سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہو۔اور بدون نماز کے قلب کو چین نہ ملے۔وقت آتے ہی نماز کیلئے دل بے چین ہو جائے۔اسی کو خلوص اوراحسان کہتے ہیں۔یہ ہیں کیفیات روحانیہ۔بخلاف ان کیفیات کے جو سالکین کو وسط میں پیش آتی ہیں جیسے محویت اوراستغراق وغیرہ ان کا بعض اوقات ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ حدود سے بھی نکل جاتا ہے۔سو یہ کیفیات مقصود نہیں۔اور جس کو خلوص حاصل ہو جو کہ کیفیت روحانیہ ہے گو اس کو کتنے وساوس آتے ہوں۔اس حالت میں بھی اس کا طالب لذت ومحویت ہونا ایسا ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

(کوثرالعلوم ص ۶ ص ۲۲۹)

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کی تفسیر بذریعہ کشف

حال : صحو و شعور کے ساتھ کالبرق الخاطف یہ حالت پیش آئی کہ اپنی فنائیت وعجز و ناتوانی وضعف پر نظر اور وحدت حق کی بقا و اثبات کا حضور اور شہود وحدت کے سامنے بحکم کل شئي هالك الخ ہر شے لاشے کالعدم مثل قطرہ پیش بحر نظر میں ہیچ معلوم ہوئی سعدیؒ ؎

ره عقل جز پیچ در پیچ نیست　　بر عارفاں جز خدا ہیچ نیست
همه هرچه هستند ازاں کمترند　　که باهستیش نام هستی برند

اس معنی کر کے حقیقت کل حق وہمہ اوست معلوم ومکشوف ہوئی چنانچہ قائل کہتا ہے ؎

توجزوے وحق کل است گر روزے چند
اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی

یہاں نہ جزو کل معلوم ہوتا ہے اور نہ کل جزو۔ بلکہ جزو کا انانیت اور خودی کہ حجاب دوئی اور شرک خفی ہے بغلبہ نور وحدت اور عظمت حق کی مغلوب ہوجاتی ہے ؎

تو اونشوی ولے اگر جہد کنی　　جائی برسی کز تو دوئی برخیزد

حافظ ؎

میاں عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

جامیؒ ؎

رفعت او ز میاں ہمیں خدا ماند خدا　　الفقر اذا تم ہو اللہ انیست

ظاہر ہے کہ نور عظمت آفتاب کے غلبہ سے ستارہ کی انانیت مغلوب اور مستتر ہو جاتی ہے۔اس معنی کر کے ستارہ اپنے تئیں مغلوب اور ہیچ پا کر کل آفتاب معلوم کرے تو یہ معلوم کرنا اس کا حق معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح شہود و نور وحدت حق اور عظمت ذات کے غلبہ سے انانیت اور خودی اپنی مغلوب ہوتی ہے اور اس معنے کر کے کل حق اور ہمہ اوست معلوم و مکشوف ہوتا ہے اور علاوہ اس کے موحدین عاشقین اور عارفین کی نظر میں بھی باعتبار اثبات وبقا و عظمت حق و جامعیت صفات کاملہ کے وحدت حق کل اور بہت معلوم و مشہود ہوتی ہے اور کثرت کہ اعتباراً بہت ہی ان کی نظر میں باعتبار فنائیت مردہ اور ضعیف اور بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔

اس معنی کر کے بھی موحدین کل حق و ہمہ اوست کہتے ہیں۔اور قطع نظر وحدت و کثرت ذات بیچوں وبیچگوں مبرا و منزا فہم ادراک سے وراء الورا ہے۔اور نہ اس معنی کو کہتے ہیں کہ وحدت و کثرت کل ایک ذات واحد ہے اور یہ ذوق وحال کہ سب کو ایک ذات کہیں سب کے خلاف ہے تعالی اللہ عن ذالك علواً کبیرا۔ اور مغلوبین و ملحدین کا تو یہی مذاق ہے کہ فرق حادث وقدیم اور خالق و مخلوق میں نہیں کرتے اور سب کو ایک ذات واحد جانتے ہیں۔ ولا موجود الا اللہ کے تحت میں خدائی کا دم بھرتے ہیں۔

گمان غالب ہے کہ صوفیہ مغلوبین بغلبہ سکر وحال مغلوب و معذور مثل قلم در دست کاتب مرفوع القلم مسلوب العقل ہو کر یا ملحدانہ ہرشے کو متحد مع الحق اور اس کا عین جان کر شطحیات وغیرہ یہیں سے کہتے ہیں۔اور جب یہ وہم خوب ترقی کرتا ہے اور یقین کے درجہ کو پہنچتا ہے تو فرق نہیں کر سکتے ہیں۔اور عینیت کے قائل ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ احکام شرعی میں سست ہو جاتے ہیں۔اور محبت میں کمی ہو جاتی ہے اور بعضے بالکل عبودیت کے اعتقاد سے نکل کر الوہیت کا دم بھرتے ہیں۔چنانچہ مدعیان مذاق زیادہ تر اسی قسم کے ہیں۔اور

باقی وجود عارف النادر کالمعدوم ہے کہ فرق کرکے ان مہلکات سلوک سے بچے۔اور دوسروں کو بھی بچاوے۔

فرمایا کہ سالک کو خطرات منکرہ سے پریشان نہ ہونا چاہئے نہ ان کی بناء پر اپنے کو مردود سمجھنا چاہئے کیونکہ ان خطرات کو تو شیطان قلب میں ڈالتا ہے۔جیسے کوئی بری بری باتیں کسی کے کان میں کہے اور سننے والے کو اس کے روکنے پر قدرت نہ ہو تو باوجود ناگوار ہونے کے اس کو مجبوراً بلا قصد وبلا اختیار سننا ہی پڑے گا یعنی وہ سامع ہوگا مستمع نہ ہوگا نہ متکلم ہوگا۔لہٰذا اس کا کیا قصور بلکہ اس کو جو ناگواری کی وجہ سے اذیت ہورہی ہے اس کا اس کو اجر ملے گا۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اپنے محبوب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کیلئے نہایت شوق کے ساتھ جھپٹا ہوا چلا جارہا تھا کہ راستہ میں اس کا دشمن ملا اور اس کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے اس کو سنا سنا کر بادشاہ کی شان میں بے ادبی کے کلمات بکنے لگا تو گو ناگوار تو بہت ہوگا لیکن عقل اور طلب کا مقتضا یہی ہے کہ اس نالائق اور نمک حرام کی بیہودہ بکواس کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے۔ ورنہ اگر ردوکد شروع کردی تو حاضری دربار کے وقت کے گزر جانے کا اندیشہ ہے۔بس اس کو چاہئے کہ صبر کئے ہوئے خاموشی کے ساتھ چلتا چلا جائے پھر جب دربار میں رسائی ہوجائے گی تو اول تو وہ کم بخت آپ ہی پیچھا چھوڑ دے گا ورنہ کان پکڑ کر نکلوا دیا جائے گا۔چنانچہ اکثر عادۃ اللہ یہی ہے کہ بعد وصول تام خطرات فنا ہوجاتے ہیں اور اگر بمقتضائے اسباب ومصالح خاصہ پھر بھی فنا نہ ہوں تب بھی کچھ غم نہ کرے کیونکہ خطرات غیر اختیاریہ پر مطلق مواخذہ نہیں نہ وہ معصیت ہیں۔البتہ اذیت وکلفت ضرور ہوتی ہے مگر اس پر بھی اجر ملتا ہے اور درجے بڑھتے ہیں۔(اشرف السوانح ص ۲۸۴)

فرمایا کہ خطرات کی خاصیت بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر اس کو اپنی طرف کھینچنے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہے اور اگر ہٹانے کی نیت سے

ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہی ہے۔بس خیریت اسی میں ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے نہ جلباً نہ سلباً اسی طرح خطرات ووساوس سے امن کی صورت یہی ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے نہ جلباً نہ سلباً۔

فرمایا کہ قلب کی مثال شاہی سڑک کی سی ہے جس پر امیر' غریب' شریف' رذیل سب ہی چلتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے۔ اگر چمار اور بھنگی بھی چل رہے ہیں تو حرج ہی کیا ہے وہ اپنے راستے جارہے ہیں یہ اپنے راستے چلتا رہے۔

لہٰذا خطرات کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے اور غور و خوض تو ہرگز ہرگز نہ کیا جائے کیونکہ خطرات کے اندر بس خوض کرنا ہی غضب ہے اس سے بجائے شفا ہونے کے اور زیادہ پریشانی بڑھتی ہے اور خطرات کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگتا ہے۔اور گو ان کا ہجوم دین کے لئے مطلقاً مضر نہیں کیونکہ بوجہ غیر اختیاری ہونے کے معصیت نہیں لیکن ان سے اذیت بے حد ہوتی ہے۔اور ان سے نجات پانے کی جو تدابیر بتائی جاتی ہیں وہ بھی دفع اذیت ہی کے لئے بتائی جاتی ہیں نہ کہ معصیت ہونے کی بناء پر کیونکہ اپنے آپ کو بلا ضرورت مشقت اور پریشانی میں ڈالنا بھی تو مناسب نہیں۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۸)

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کبھی خطرات کا سبب لطافت طبع اور ذکاوت حس ہوتی ہے جس پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

؎ اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

کبھی عوارض طبیہ کبھی رذائل نفسانیہ 'کبھی تصرفات شیطانیہ 'کبھی معاصی اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب سے طلب کا امتحان ہوتا ہے اور کبھی خطرات ان اسباب میں سے ایک سے زائد اسباب بھی جمع ہوجاتے ہیں۔اس صورت میں جب سبب کی تشخیص نہ ہوسکے تو سب معالجات کو جمع کرلیا جائے۔لیکن

صورت میں علاوہ معالجات خاصہ کے سب کا مشترک علاج یہی ہے کہ التفات نہ کرے اور خوض نہ کرے۔ نہ خطرات میں نہ ان کے اسباب میں۔

نیز حضرت والا رذائل نفسانیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ ملکات رذیلہ پر مواخذہ نہیں کہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ افعال پر مواخذہ ہے جو اختیاری ہیں۔ ملکات رذیلہ کے مقتضاء پر بس عمل نہ ہونے دے باقی اس فکر میں نہ پڑے کہ ملکات رذیلہ زائل ہو جائیں کیونکہ وہ زائل نہیں ہوا کرتے۔ البتہ مجاہدات اور تکرار مخالفت نفس سے مضمحل ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہ جبلی ہیں اور جبلت بدلا نہیں کرتی البتہ افعال جبلی نہیں ان پر اختیار ہے ان کا صدور نہ ہونے دے اور نہ اس غم میں پڑے کہ میری جبلت ہی کیوں ایسی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں ان کی اس میں سینکڑوں حکمتیں ہیں۔ نیز رذائل نفس سے کون خالی ہے کم وبیش سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی ہے لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جاویں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں۔ جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھڑک اٹھنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو چاہے جیب میں لئے پھرے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط رکھنی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب ؒ نے خطرات کا عجیب وغریب علاج ارشاد فرمایا تھا وہ یہ کہ یوں سوچا کرے کہ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ نے قلب کو بھی کیسا بحر مواج بنایا ہے کہ خطرات موجوں کی طرح امڈے ہی چلے آتے ہیں۔ کسی طرح روکے رکتے ہی نہیں کیا خدا کی قدرت ہے کیا خدا کی صبغت ہے۔ اس کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا لطیف معالجہ ہے کہ جن خطرات کو سالک آلہ بعد سمجھ رہا تھا انہیں کو مرآۃ جمال خداوندی بنا کر موجب قرب ومشاہدہ بنا دیا آہ احقر مولف عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب ؒ کا ایک اور بھی لطیف

معالجہ جو خود حضرت والا کے لئے حضرت والا کی حالت رفیعہ اور شان عالی کے مناسب تحریر فرمایا تھا اس جگہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مکتوب نمبر ۵۴ مورخہ ۱۹ رجب ۱۳۱۶ھ میں جس کی نقل نقول مکتوبات امدادیہ میں نمبر ۴۰ پر پہلے اپنے موقع پر پیش بھی کی جا چکی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ خیال کرو جو واردات مضر ہوں گے اس مراقبہ سے سب دفع ہو جائیں گے۔ (اشرف السوانح ص ۲۸۹)

ضروری تنبیہ: بعون اللہ تعالیٰ وبفضلہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ تحریری وتقریری معالجات خطرات کی نقل سے فراغت ہوئی۔ اب آخر میں ان سب معالجات کے متعلق حضرت والا ہی کی ارشاد فرمائی ہوئی ایک نہایت ضروری تنبیہ نقل کی جاتی ہے جس کو حضرت والا نے اس حصہ کو سن کر نہایت اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اس قدر ضروری بات ہے کہ بغیر اس کے یہ سارا مضمون ہی معالجات خطرات کا نامکمل رہ جاتا ہے وہ تنبیہ یہ ہے کہ ان سب مذکورہ بالا معالجوں کی شرط نفع یہ ہے کہ ان معالجوں کو معالجہ سمجھ کر اور دفع خطرات کی نیت سے ہرگز نہ کیا جائے بلکہ مستقل اعمال مفیدہ سمجھ کر اختیار کیا جائے اور نتیجہ خاص یعنی اندفاع خطرات کا بھی انتظار نہ کیا جائے ورنہ اس انتظار سے تعجیل اور تعجیل سے تقاضا اور تقاضے سے تشویش پیدا ہوگی اور بھلا تشویش کے ہوتے ہوئے خطرات کیونکر دفع ہو سکتے ہیں بلکہ بجائے انتظار اندفاع خطرات کے اپنی طرف سے اس پر بالکل آمادہ رہا جائے کہ اگر ساری عمر بھی خطرات سے نجات نہ ملے تب بھی کچھ پرواہ نہیں جو کام ہم کو بتایا گیا ہے بس وہ ہم کر رہے ہیں اس سے زیادہ کے ہم مکلّف ہی نہیں۔ اور ہر حال میں اس امر واقعی اور عقیدہ واجبہ کا استحضار رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ حاکم ہونے کی بناء پر تو ان کو اپنی مخلوق کے اندر ہر قسم کے تصرفات کرنے کا پورا حق اور کامل اختیار حاصل ہے وہ اپنے بندوں کے اندر جو چاہیں تصرف

فرمائیں کسی کو مجال چون وچرا نہیں۔اور حکیم ہونے کی بناء پر بندہ کو ان کے ہر تصرف کے متعلق اجمالاً یہ اعتقاد رکھ کر بالکل مطمئن رہنا چاہئے کہ یہ تصرف میرے حق میں سراسر حکمت ہے گو اسکی تفصیلی حکمتیں معلوم نہ ہوں۔

خشوع کے حاصل کرنے کا طریقہ

خشوع کی تحصیل کیلئے اس کے آثار کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ تحصیل خشوع کی علت کے اجزاء میں سے ایک جزء یہ بھی ہے۔اور دوسرا جزء یہ ہے کہ اہل خشوع کی صحبت اختیار کی جاوے۔تیسرا جزء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت کو دل میں جگہ دی جائے۔اور اس خشیت کے پیدا کرنے کیلئے یہ تدبیر کی جائے کہ کوئی وقت مناسب تجویز کر کے اس میں تنہا بیٹھ کر اپنی حالت عصیان اور پھر اللہ تعالیٰ کے نعم اور نیز اس کے عذاب آخرت اور قیامت کے احوال پل صراط و میزان و دوزخ کی حالت وغیرہ کو سوچا جائے۔اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کو معمول کر لیا جاوے۔تو انشاء اللہ بہت کچھ فائدہ ہو۔چوتھا جزء علت خشوع کا یہ ہے کہ اگر ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کئے ہیں۔تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کر دیجئے۔یعنی کم سے کم دس مہینے ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے۔اور اس کے ارشاد کے مطابق چلئے۔اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اس کی برکت سے دولت خشوع عطا فرمادیتے ہیں۔

﴿الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ.﴾

کیا وقت نہیں آیا مسلمانوں کے لئے اس بات کا کہ ان کے دل عاجزی کریں اللہ کی یاد کے وقت۔

یعنی کیا مسلمانوں کے لئے ہنوز وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلب خشوع کرنے لگیں اور ظاہر ہے کہ شکایت اس امر کی ترک پر ہوتی ہے جس کا کرنا

نہایت ضروری اور واجب ہو۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع نہایت ضروری عمل ہے اور اس کا مقابل قساوت ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه. فويل للقسية قلوبهم من ذكر الله.﴾ الخ

بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے کھول دیا اسلام کے لئے پس وہ اپنے پروردگار کی جانب سے روشنی پر ہے (کہیں سخت دل کے برابر ہو سکتا ہے) تو افسوس ان کو جن کے دل سخت ہیں یاد الٰہی سے۔

اور آگے فرماتے ہیں

﴿الله نزل احسن الحديث كتبا متشابها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله.﴾

اللہ نے نازل فرمایا بہتر کلام ایک کتاب کہ جس کی بعض باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں دوہرائی ہوئی کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اس کے سننے سے ان لوگوں کی کھال پر جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہوجاتی ہیں ان کی کھالیں اور دل اللہ کی یاد میں۔

تو اس میں آیت قساوت کا مقابل لین کو فرمایا ہے اور لین وہی خشوع ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خشوع کا مقابل قساوت ہے اور قساوت کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

"ان ابعد شئي من الله القلب القاسي."

سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سخت دل ہے۔

تو خشوع کی تاکید کرنا جیسا کہ سابق کی آیات میں ہے اور قساوت کی مذمت کرنا جس کا حاصل خشوع کے ترک پر مذمت کرنا ہے جیسا مابعد کی آیت میں ہے۔ اس سے زیادہ اس کے ضروری اور واجب ہونے کے لئے کیا

چاہئے۔ پس ہر عالم اور طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ قلب میں خشوع پیدا کرے اور اس کے ظاہری آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں معاملات میں سختی نہ کرے۔ غیظ اور غضب میں مغلوب نہ ہو۔ انتقام کی فکر میں نہ رہے علی ہذا اوران کو آثار اس لئے کہا کہ جب قلب میں خشوع کی صفت ہوگی تو جوارح پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب ؒ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ۔

حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا اور اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو یہ ایسا ہرگز نہ کرتا۔ اب اسکی ضرورت اور آثار معلوم ہو جانے کے بعد دیکھ لیجئے۔ کہ آیا ہمارے قلب میں خشوع ہے یا نہیں اور ہم ان تخشع قلوبھم کے مضمون میں داخل ہیں یا نہیں اور ہمارے قلوب میں ترفع اور شیخی تو نہیں پائی جاتی پس اگر ہمارے قلوب میں خشوع ہے تو کیا وجہ کہ اس کے آثار نہیں پائے جاتے اس کی کیا وجہ کہ ہم کو اپنا کام خود کرنے سے یا کسی مسلمان کا کام کرنے سے عار آتی ہے۔

صاحبو! حضور انور ﷺ سے زیادہ تو کوئی مخدوم نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے کہ حضور کی کیا حالت تھی فرماتے ہیں انی اٰکل کما یاکل العبد کہ میں کھانا اس طرح کھاتا ہوں کہ جیسے کوئی غلام کھاتا ہے جس میں تجبر اور تکبر کا نام نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ اکڑو بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور ﷺ کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہ تھا۔ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی پیچھے ہو گیا اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنیکی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر

آرام کرتے تھے۔ معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جاکر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور ﷺ کے منقول ہیں تو کس لئے کیا اس لئے کہ ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں۔ صاحبو! جس طرح حضور ﷺ کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو ارشاد ہے۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة.﴾
تمہارے لئے حضور ﷺ کا اقتدا کافی ہے۔

تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کے لئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو، وہی معاشرت ہو۔

ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہوجاتی ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچ کر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آویں ذرا مضر نہیں۔ (اشرف السوانح حصہ دوم ۱۳۶)

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً طے کرنا مخل خشوع ہے یا نہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا۔ کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اس وقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزء ہے۔ صلي ركعتين مقبلا عليهما بقلبه دوسری موقوف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول جس میں یہ جزء ہے اني لاجهز جيشي وانا في الصلوة مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اس کے غیر کا قصداً استحضار بھی

نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو۔ دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہوجاوے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں۔ عوارض کے سبب ان میں تفاوت ہوگیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت تھی اور اس کا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں۔

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع وخضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں عزم کرلیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھوں گا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرات ختم ہوجاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرماویں کہ میری یہ تمنا پوری ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصول خشوع اس حالت میں عادۃً متعذر ہے تو اس کا اہتمام ہی تکلیف مالا یطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابل افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنی حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے۔ (اصلاح الانقلاب ص ۸۹)

نماز خشوع و خضوع سے ہونی چاہئے

ایک کوتاہی جس کو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی شمار نہیں کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے۔ نماز میں خشوع و حضور قلب کا نہ ہونا ہے اس کے مطلوب ہونے کے لئے آیت ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ﴾ (وہ مومن فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں) اور اس میں تقصیر کرنے کی مذمت کے لئے آیت ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ﴾ الخ۔ (کیا مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب لرز اٹھیں) کافی ہے اور سبب اس کا بالاستقراء دو امر ہیں بعض کو تو اہتمام ہی نہیں ان کے لئے تو بے اعتنائی اور بعض کو اہتمام ہے مگر اس کی حقیقت نہ جاننے سے اس کو اختیار اور قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اس لئے اس کی تحصیل کا ارادہ ہی نہیں کرتے پہلے سبب کا علاج تو آیات بالا کے مضمون میں غور کرنا ہے اور دوسرے سبب کا علاج اس کی حقیقت سمجھنا ہے بعضے ترک نماز کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم سے حضور قلب نہیں ہو سکتا اور نماز بدون اس کے ہوتی نہیں۔ سو حقیقت لغویہ خشوع کی سکون ہے اور حقیقت شرعیہ اس کی سکون ارادی ہے قلب اور جوارح کا اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے سو جیسی حرکت ویسا سکون تو جوارح کی حرکت تو اینیہ یعنی مکانیہ ہوتی ہے ان کا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعاً امر نہیں وہ حرکت نہ کرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پاؤں عبث نہ ہلاوے ادھر ادھر گردن یا نظر سے التفات نہ کرے، سر کو اوپر نہ اٹھاوے، بالوں کو کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے، بدون ضرورت نہ کھجلاوے، نہ کھنکارے ونحو ذلک۔ اور قلب کی حرکت فکریہ ہے اس کا سکون عدم الفکر ہے یعنی اپنے ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو

مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہیں کیونکہ اختیار سے خارج ہے اوراضطراریات امرونہی کے تحت میں نہیں ہیں اسی طرح اگر حرکت قلب کی بلاقصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہیں پس غلطی لوگوں کی یہ ہے کہ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ بالکل خیال نہ آوے اوراس بناء پراس کو محال عادی سمجھتے ہیں مگراس بناء کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے واضح ہوچکا ہے جس سے محرر (واضح) ہوگیا کہ خشوع اختیاری فعل ہے اور ہر شخص اس پر قادر ہے اور بہت آسان ہے۔البتہ ارادہ وتوجہ کی ضرورت ہے۔پس جیسے سب افعال ارادیہ کی شان ہے کہ ارادہ کرو تو آسان۔ ارادہ نہ کرو تو دشوار۔حتیٰ کہ اگر منہ میں لقمہ لے کر بیٹھ جائے اور نگلنے کاارادہ نہ کرے تو وہ بھی آسان نہیں پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہے اور اگر خشوع محال ہے تو لقمہ نگلنابھی اتنا ہی محال ہے دونوں کے یسراور عسر(آسان اور مشکل)میں کچھ فرق نہیں اور سہل طریقہ اس کا یہ ہے کہ نمازمیں جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کرکے اس کو منہ سے نکالے کہ اب سبحان اللہ کہوں گا۔اب وبحمدك کہہ رہاہوں۔اب وتبارك اسمك منہ سے نکل رہا ہے۔وعلیٰ ہذا پس جب ہر لفظ پرخاص توجہ رہ گئی لامحالہ حسب قاعدہ عقلیہ کہ النفس لاتتوجہ الي شيئين في آن واحد (یعنی نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف کامل طور پر متوجہ نہیں ہوتا۔دوسرے خیالات بند ہوجاویں گے)

اس مراقبہ کو اول سے آخر تک باالتزام کرے انشاء اللہ تعالیٰ اول تو بلاقصد بھی کوئی خیال نہ آوے گا اوراگر فرضاً آجاوے تو پھراس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے یہ سوچ بھی خیال غیر ہے بلکہ اسی عمل تجدید تعلق ارادہ وتوجہ کو بطریق مذکور آئندہ کے لئے پھر تازہ کردے پھروہ خطرات دفع ہوجاویں گے۔

ذاکر اور اس کے متعلقات

فرمایا ذکر دائم مقصود ہے جس کو جو کچھ ملا ذکر اللہ واتباع سنت سے ملا۔ طرق ذکر کی تحقیقات وتقییدات ضروری نہیں۔رائے شیخ سے اس میں تبدل ہوسکتا ہے۔نسبت مع اللہ ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔یہ طرق ومجاہدات خاصہ معالجات نفس کے درجے میں ہیں۔پس چاروں خاندانوں (سلسلوں) کا حاصل ایک ہی ہوا اور ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحب قبلہ چاروں خاندانوں میں اس وجہ سے بیعت فرمالیتے تھے کہ پھر کسی خاندان پراعتراض کی گنجائش نہ رہے۔جبکہ استخوان فروشوں نے طریقہ اختیار کیا ہے اور حضرت میں ایک جامعیت کی شان تھی۔(مقالات حصہ اول ملفوظ نمبر ۹۴)' (اصول الوصول ص ۸ تا ۱۰ ؍ص ۲۰ تا ۲۲ اشرف العلوم۔ ربیع الاول ۵۴ ۱۳ھ اشرف المسائل)

فرمایا تجلی ذاتی منتہائے احوال میں سے ہے مقاصد ومقامات میں سے نہیں۔مقصود رضاء حق ہے۔ذکر رضاء کیلئے ہونا چاہئے اور زیادہ کیفیات کے درپے نہ ہونا چاہئے۔ فاذ کرونی اذ کر کم ارشاد ہے۔پس ذکر حق پر ثمرہ مقصود یہی ہے کہ وہ ہمارا ذکر کریں۔رحمت ورضاء سے حالات کے درپے ہونا خلاف شان طلب ہے کیونکہ حالات کا طالب خدا کا طالب کہاں ہے۔ذکر دائم یعنی یادداشت ہونا چاہئے۔(ایضاً ملفوظ نمبر۹۹)

بعضے اہل طریق کو بھی یہ غلطی ہوئی ہے کہ وہ حالات اور کیفیات کو اصل مقصود سمجھ گئے ہیں۔خوب سمجھ لینا چاہئے۔کہ مقصود بالذات یہی نماز' روزہ ہیں۔کیفیات وغیرہ تو انہیں نماز' روزہ کی درستی کیلئے ہیں۔

اعمال اور کیفیات کی بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک ہوتی ہے غذا اور ایک ہوتی ہے دوا۔مگر مقصود غذا ہوتی ہے۔اور دواء صرف اس لئے ہوتی ہے کہ

حالت مرض میں چونکہ غذاء جزو بدن نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے غذا کے جزو بدن ہونیکی قابلیت ہوجاوے۔پس دوا مقصود نہیں ہوتی۔سو جیسے اصل مقصود غذا ہے اور دوا محض معین ہے۔اسی طرح یہاں اصل مقصود نماز روزہ ہے اور کیفیات بطور دوا کے ہیں کہ ان کو مجاہدات سے محض اس لئے حاصل کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے نماز روزہ کی قابلیت پیدا ہوجاوے۔(اتباع المنیب ص ۳۰)

فرمایا جو چیزیں وہبی ہیں ان کی ہوس نہ چاہئے جس کو جو ملا اس پر راضی رہنا چاہئے۔البتہ امور اختیاریہ بلاواسطہ یا بواسطہ میں مثلاً نیک کام کرنا نجات ومغفرت نصیب ہونا اسکی تمنا وطلب ہونا چاہئے۔حضرت ام سلمہ ؓ نے تمنا فرمائی تھی کہ میں مرد ہوتی تو خوب جہاد کرتی۔آیت نازل ہوئی۔ولا تتمنوا ما فضّل الله به بعضكم علٰي بعض. الآیۃ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حق میں عورت ہونا مناسب تھا وہ عطا ہوا۔اور ان کے حق میں یہی حکمت ہوگی۔(مقالات حکمت حصہ دوم ملفوظ نمبر ۱۰'اشرف العلوم ۶۴)

فرمایا کہ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ طلب مطلوب ہے نہ کہ وصول کیونکہ مطلوب وہ چیز ہوسکتی ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔اور طلب اختیار عبد میں ہے اور وصول اس کے اختیار سے خارج ہے۔البتہ اس معنی کو مطلوب یہ ہے کہ وہ طلب صادق پر لزوماً مرتب ہے۔مقصود استاد علیہ الرحمتہ کا یہ ہے کہ ثمرات پر ہروقت نظر رکھنا مشوش وقت ہے۔یہ اس کا علاج ہے۔
(ایضاً ملفوظ نمبر ۶۴)

فرمایا کہ احضار قلب بندے کے اختیار میں ہے۔اگر کوشش کرے احضار ممکن ہے۔لیکن اس کیفیت کا جلدی راسخ کرلینا اختیار عبد سے خارج ہے کہ جب چاہے رسوخ ہوجائے۔لہٰذا اگر دیر ہو تو مایوس نہ ہونا چاہئے۔(ایضاً ملفوظ نمبر ۸۷)

فرمایا کہ احوال کے مقابلہ میں مقامات ہیں (والمقامات مکاسب

والاحوال مواھب) اور وہ مطلوب ہیں۔اور مقامات اصطلاح صوفیہ میں اعمال تکلیفیہ متعلقہ بالقلب کو کہتے ہیں۔گویا جن امور باطنہ کا حکم قرآن وحدیث میں ہوا ہے۔جس کو علم المعاملہ کہتے ہیں وہی صوفیہ کی اصطلاح میں مقام ہے اور موجب قرب ہے اور قابل توجہ والتفات ہے۔جس طرح اعمال ظاہرہ بھی۔

(ایضاً ملفوظ نمبر ۸۴)

باطنی احوال ومقامات تک کے لئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں۔جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے۔جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب ہوتے ہیں ان کیلئے بھی حدود ہیں۔یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو۔کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارہ میں لوگوں کا عام خیال یہ ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے۔ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے۔مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے۔حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے۔اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں۔اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے۔جس کا ہر درجہ مطلوب ہے۔

(حرمات الحدود ص ۵۷، اشرف العلوم ۶۵)

فرمایا کہ کیفیات دو قسم کے ہیں۔ایک کیفیات روحانیہ دوسری کیفیات نفسانیہ کیفیات روحانیہ مشاہدہ اور غلبہ ذکر ہے۔جس کے آثار میں سے سہولت اطاعت اور شوق فرماں برداری ہے اور اس پر رضائے باری موعود ہے۔کیفیات نفسانیہ احوال کہلاتے ہیں مثلاً شدت شوق ہیجان وار فتگی۔یہ امور مطلوب نہیں ہیں۔اسی لئے کملاء کبھی ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔بلکہ کبھی کبھی احوال سے ضرر بھی ہوتا ہے۔اسلئے کہ مثلاً جو شخص شدت شوق میں مبتلا ہے۔ان حالات میں سے ایک حالت اسکو ضرور پیش آئیگی۔یا تو لقاء نصیب نہ ہونے سے مایوسی یا

غلبہ وہیجان سے مرض وہلاک یا اغوائے شیطان سے عجب وکبراور یاغایت ادلال سے گستاخی یہ سب حالتیں مذموم اور مبعد عن الحق ہیں۔پس اس سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ احوال قابل التفات وتوجہ نہیں۔ہاں مواہب الٰہی ہیں کہ حاصل ہوجائیں تواس کا فضل ہے۔نہ حاصل ہوں تونجات وقرب الٰہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔اوراس کی تائید کہ احوال بذاتہا مطلوب نہیں اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔کہ حضورﷺ نے دعا فرمائی۔ اسئلك شوقا الي لقائك في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة.

پس اگر احوال مطلقاً مطلوب ہوتے اوران میں ضرر اور فتنہ نہ ہوتا تو حضورﷺ طلب شوق کے ساتھ کہ حال ہے یہ قید نہ لگاتے۔خلاصہ حدیث کا یہ ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے تیرے لقاء کے شوق کا طالب ہوں۔لیکن اتنا شوق نہ ہو کہ اس سے کسی ضرر (جیسے غلبہ شوق سے امراض وغیرہ کا لاحق ہوجانا) یا کسی فتنہ میں ابتلاء (جیسے بیباکی کا پیدا ہونا اور شریعت وصاحب کمال شریعت کا ادب ملحوظ نہ رہنا) ہو۔(مقالات حکمت حصہ دوم ملفوظ نمبر ۹۴)

وجود اخلاق رزیلہ مذموم نہیں ہے۔ہاں عمل بمقتضی الاخلاق الرزیلہ مذموم ومنہی عنہ ہے۔مثلاً وجود غصے کا مذموم نہیں۔لیکن اس کو بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ چلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے نہ یہ کہ بے موقع کبھی آتا بھی نہیں'اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا﴾ تو اخلاق رزیلہ کے ازالہ پر قدرت نہیں ہاں ان کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے۔اس لئے صرف اس کی تکلیف دی گئی ہے۔جب یہ بات ہے تو ان اخلاق رزیلہ کے ابھرنے اوران سے متاثر ہوجانے سے غمگین اور ناامید ہوجانا محض بے وجہ ہے۔(اطاعت الاحکام ص ۵۲)

اکثر لوگ اخلاق رزیلہ کو زائل کرتے ہیں اور پھر اخلاق محمودہ پیدا کرتے

ہیں۔ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے۔ کہ ازالہ بالکلیہ نہیں چاہئے۔ کیونکہ جب اس خلق کی ضرورت ہوگی تو کیا کرے گا۔ (مثلاً شہوت) بلکہ تعدیل چاہئے۔
(مقالات حکمت حصہ ہفتم نمبر ۴۴)

صفات ذمیمہ اپنے محل و مصرف پر ہوں تو بری نہیں۔ اور اگر بے محل ہوں تو بری ہیں۔ مثلاً بخل اگر کسی اچھی جگہ کیا جاوے تو برا ہے اور اگر کسی بری جگہ پر کیا جاوے تو برا نہیں۔ (مقالات حکمت حصہ ہشتم ملفوظ نمبر ۷، ۴ اشرف العلوم ص ۶۶ ربیع الثانی ۵۴ ۱۳ھ)

رذائل کا ازالہ نہ کرو۔ صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے۔ مگر اضمحلال کیلئے اس کی مشق ضروری ہے۔ اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہ ہو۔ الحائك اذ اصلي يوماً انتظر الوحي کہ دو دن مخالفت کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار کی خاصیت ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن انشاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائیگا۔ بعض حکماء اس نکتہ کو نہیں سمجھے وہ کہتے ہیں کہ عادات نہیں بدلا کرتیں اس لئے مجاہدہ فضول ہے۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھے کہ عادت بخلاف عادت ہو جانے سے پہلی عادات ایسی کمزور ہو جاتی ہیں کہ گویا تھی ہی نہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشائخ طریق کا یہاں رات دن ایسی نظار مشاہدہ میں آتی ہیں۔ کہ مجاہدات و کثرت مخالفت سے اخلاق رذیلہ گو معدوم نہیں مگر کالعدم ضرور ہو جاتی ہیں۔ اور یہ طریقہ ایسا آسان ہے جو ہر شخص کے اختیار میں ہے کہ اپنے ناتکمل قصد واختیار سے۔

فرمایا بعد تکمیل کسی کو مقام رجاء مل جاتا ہے کسی کو خوف، کسی کو اور کچھ اور قلب میں نسبت کا رسوخ ہو جاتا ہے۔ یہ مقامات ہیں (مقام کے معنی میں یہ ایک دوسری اصطلاح ہے۔ یعنی راسخ مقام ہے اور غیر راسخ حال اور ایک اصطلاح ہے مشہور کہ مقام مکتسب ہے۔ اور حال موہوب) اور احوال دوران تکمیل میں پیش آتے رہتے ہیں۔ کوئی حال ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس سے بعض کا انتقال

ہو گیا۔(مقالات حکمت حصہ اول ملفوظ نمبر ۶۸)

فرمایا کہ ایک سیر الی اللہ ہے۔اور ایک سیر فی اللہ ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ اخلاق کی تہذیب اور رسوخ فی الذکر پیدا کیا جاوے۔اور یہی مرتبہ ہے جس کے انتہا پر سلوک متعارف ختم ہو جاتا ہے۔اس کے بعد سیر فی اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ صفات وافعال الٰہیہ اور معاملات فی مابین العبد والرب کی خصوصیات کے انکشاف میں روز بروز ترقی ہو اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(اشرف العلوم ربیع الثانی ۵۴ ۱۳ھ ص ۷۵)

نہ حسنش غایتی دارد نہ سعدی راسخن پایاں

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اور اس آیت شریفہ میں ان دونوں مرتبوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

انی ذاھب الی ربی سیھدین ٥ کیونکہ ذھاب الی الرب سیر الی اللہ ہے اور اس پر جو ہدایت کو متفرع فرمایا ہے۔یہ کوئی چیز اس کے بعد کی ہے اور اس کے بعد سیر فی اللہ ہوتی ہے۔(مقالات حکمت حصہ دوم ملفوظ نمبر ۹۷)

کشف اختیاری نہیں ہوتا۔وہ بالکل خارج از اختیار ہے۔دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی خبر نہ ہوئی۔اگر کشف امر اختیاری تھا تو کیوں حضرت یعقوب علیہ السلام مطلع نہیں ہوئے اور جب خبر ہوئی تو اس طرح کہ مبشر کرتہ لیکر چلا تو آپ نے فرمایا۔انی لاجد ریح یوسف ترجمہ: میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔(مضار المعصیت ص ۱۲)

محبت کا مفہوم اور اقسام

محبت نام ہے میلان قلبی کا اس کے مراتب کثیرہ ہیں۔یہ بھی ایک مرتبہ ہے۔کہ نام سن کر بے تاب ہو جائے۔ادنیٰ مرتبہ یہ ہے۔کہ اللہ کی طرف دل کھنچنے لگے۔اور جیسے مراتب مختلف ہیں۔اسی طرح قسمیں بھی مختلف ہیں۔ایک

عقلی دوسری طبعی اور جس محبت کے حاصل کرنے کا حکم ہے وہ محبت عقلی ہے۔ اسی لئے اطیعو اللہ فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ اطیعو اللہ طبعاً اب میدان وسیع ہوگیا۔ کم ازکم یہی سمجھ کر اطاعت کرو کہ اللہ ہم سے خوش ہوگا مگر اس پر بس نہ کرو آگے بڑھتے رہو۔ یہاں تک کہ اطاعت میں لطف آنے لگے۔ اور پھر اس کے بغیر چین نہ پڑے۔ نہ سمجھنے سمجھانے کی ضرورت رہے۔

اے برادر بے نہایت در گہست ہرچہ بروئے میری بردے بایست

(حق الاطاعت ص ۲۰، اشرف العلوم ربیع الثانی ۸۵ ۱۳ھ ص ۸۷)

کیفیات کا مدار یکسوئی پر ہے۔ اور یکسوئی کم عقلوں کی زیادہ ہوجاتی ہے عاقلوں کو خاص کر صاحب ذکاوت مفرطہ کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا دماغ ہروقت حرکت فکریہ میں رہتا ہے۔ (تواصی بالصبر ص ۲۴)

نفس جو تقوی کی طرف مائل اور معصیت سے نفور نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تقوی کی لذت اور معصیت کی کدورت سے واقف نہیں۔ اس کو یہ خبر ہی نہیں کہ تقوی کے اندر کیا لذت اور نور ہے اور معصیت کے اندر کیا کدورت اور ظلمت ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ ہمیشہ معصیت ہی میں رہا ہے۔ اس لئے نور تقوی سے آگاہ ہی نہیں۔ اور جبکہ نور تقوی سے آگاہ ہی نہیں تو باقاعدہ الاشیاء تتبین بضدھا۔ معصیت کی ظلمت کا بھی احساس نہیں۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ اس کو اس نور اور ظلمت یا یوں کہو کہ اس لذت اور کدورت سے واقف بنایا جائے۔ جب اس کو تقوی کی لذت حاصل ہوگی۔ تو معصیت میں کدورت محسوس ہوگی پس لامحالہ تقوی کی حرص اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی۔ (الصیام نمبر ۱۸۴)

فرمایا کہ عبادت کو اپنا عمل نہ سمجھے بلکہ محض توفیق حق سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے کام لے رہے ہیں میں خود کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ اخفاء کا اہتمام نہ کرے گا۔

کیونکہ وہ مخلوق کو لاشے محض سمجھتا ہے تو ان سے اخفا کیوں کرے گا۔ اور جب اپنے عمل کو اپنا عمل ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ فضل حق سمجھتا ہے تو کسی کے دیکھنے سے اس پر عجب کا اثر کیوں ہوگا۔ لیکن اس شعبہ کا ریاء ہونا پہلے شعبہ کے برابر نہیں۔ پہلی صورت تو مطلق ریاء ہے۔ اور دوسری صورت یعنی اخفاء اعمال کبھی ریاء ہے اور کبھی ریاء نہیں۔ مثلاً جس شخص کیلئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کر دیا ہو اس کیلئے اخفاء عمل ریاء نہیں۔ یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کیلئے اخفاء عمل ریا نہیں۔ مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہو جانے سے کوئی مبصر نہیں ہو سکتا۔ صائب نے خوب کہا ہے ؎

(اشرف المسائل ص ۱۹)

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

(ارضاء الحق حصہ اول ص ۹'۱۰)

فناء ارادہ سے مراد مطلق ارادہ کا فنا کرنا نہیں ہے بلکہ اس ارادہ کا فنا کرنا مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔ یعنی جو ارادہ حق کے خلاف اور تجویز حق کے مزاحم ہو۔ اور لا ارید کا ارادہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ تو یہ فناء ارادہ کے خلاف نہیں ہے۔ فناء کے منافی وہ ارادہ ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور جو ارادہ بواسطہ لا ارید کے ہو وہ فنا کے منافی نہیں۔ اور بعض عارفین نے ایک اور جواب دیا ہے کہ لا ارید میں راسخ ہونے کے بعد جو ارادہ ہوتا ہے وہ بندہ کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فناء ارادہ بالاختیار کے بعد جو ارادہ بندہ کے قلب میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ گویا بالاضطرار جانب حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ گو ظاہر میں اس کا ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ (ارضاء الحق حصہ اول ص ۱۴)

ذوق و مناسبت ایک حسن باطنی ہے۔ اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو نعمت

ہے لیکن کسی کو اگر حاصل نہ ہو تو کوئی نقص نہیں۔کیونکہ قرب ورضائے حق کا مدار محبت عقلیہ پر ہے یعنی اطاعت احکام پر۔ ذوق پر اس کا مدار نہیں۔اگر کسی کو ذوق باطن بالکل نہ ہو لیکن احکام کو پوری طرح بجالاتا ہو۔وہ ناقص نہ ہوگا بلکہ کامل ہے۔(ارضاء الحق حصہ دوم ص ۲۰)

سالکین کو سبق لینا چاہئے کہ وہ جو ذکر وشغل اور اطاعت وعبادت کرتے ہیں۔اس میں خود عمل کو مقصود سمجھا کریں جو اختیار میں ہے۔ ثمرات کو مقصود نہ سمجھیں جو غیر اختیاری ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہونگے۔اس کے سوا اور کچھ نیت نہ ہو۔یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع وخضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جاویگا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے۔ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں۔نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔یہ مرتبہ بین بین ہے۔یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری فاعل مختار سے بدون کسی غرض کے تصور کے نہیں ہوسکتا تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں مگر نیت کچھ نہیں ہوتی۔یہ محض عادت کی برکت ہے جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے۔اس کیلئے اب بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی تکرار کی وجہ سے عادت ہوگئی ہے اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا۔پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ غایت صحیح کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔(الحج المبرور ص ۵، اشرف المسائل ص ۹۱)

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی۔ کیونکہ ریا کرتے کرتے پھراس کام کی عادت پڑجاتی ہے۔اور جس کی عادت ہوجاتی ہے اس میں پھر کوئی خیال نہیں آیا کرتا۔پھر وہ اخلاص سے قریب ہوجاتا ہے۔

اعمال اور احوال کا فرق

امور اختیاریہ قابل توجہ ہیں اور امور غیر اختیاریہ غیر قابل توجہ ہیں۔اس کے بعد سمجھئے کہ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ایک اعمال یہ تو اختیاری ہیں جن میں بعض اعمال تو کرنے کے ہیں اور بعض بچنے کے ہیں مثلاً نماز' روزہ' زکوۃ وحج وغیرہ یہ اعمال تو کرنے کے ہیں اور غیبت نہ کرنا' تکبر نہ کرنا' کسی کا مال غصب نہ کرنا' قرض نہ مارنا یہ اعمال کف کے متعلق ہیں کیونکہ کسی عمل سے بچنا بھی عمل ہے۔اعمال عدمیہ من حیث العدم تو عمل نہیں۔لیکن من حیث الکف عمل ہیں دوسرے احوال ہیں۔یہ غیر اختیاری ہیں۔پس حاصل یہ ہوا کہ اعمال قابل توجہ ہیں اور احوال قابل توجہ نہیں۔کیونکہ اعمال سب اختیاری ہیں۔خواہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ یہ تعمیم اس لئے کی کہ بعض لوگ اعمال ظاہرہ کا تو اہتمام کرتے ہیں مثلاً نماز' روزہ کا۔مگر اعمال باطنہ کا اہتمام نہیں کرتے۔مثلاً اللہ سے محبت کرنا۔ حالانکہ شرعاً یہ بھی مثل نماز کے ضروری ہے۔بدون محبت حق کے نماز بھی نماز نہیں۔مگر لوگوں کو اس کا اہتمام نہیں۔چنانچہ کبھی دل کو ٹٹول کر نہیں دیکھتے کہ اس میں اللہ کی محبت کتنی ہے۔اور یہ بہت بڑی کوتاہی ہے۔حدیث میں ہے (لا یکون احد کم مومنًا حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سو اھما) (ترجمہ: کوئی تم میں سے مومن نہ ہوگا جب تک اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب ماسوا سے یعنی اپنے نفس اور مال اور اہل وعیال سب سے زیادہ

محبوب نہ ہوجائیں) یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ کسی نص کے معارض نہیں اور تاویل تعارض ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اب ہر شخص دیکھ لے کہ اس کے دل میں اللہ ورسول کی محبت زیادہ ہے یا برادری اور اہل وعیال کی۔ (الفصل والانفصال ص ۲۰)' (اشرف المسائل ص ۹۲)

صاحب حال اور غیر صاحب حال میں تفاوت یہ ہے کہ غیر صاحب حال کو مثلاً رشوت سے نفرت تو ہوتی ہے مگر ایسی نہیں جیسی گوہ سے۔ اور صاحب حال کو گناہوں سے ایسی ہی نفرت ہوتی ہے جیسی نجاست ظاہرہ سے۔ اس لئے احوال کے محمود ہونے میں کلام نہیں مگر وہ مقصود نہیں ہیں کیونکہ غیر اختیاری ہیں۔ اسی لئے مقصود ان پر موقوف نہیں۔ مثلاً مقصود گناہوں سے بچنا ہے۔ تو یہ بدون حال کے بھی ہوسکتا ہے۔ گو بدون حال کے گناہوں سے ایسی نفرت نہ ہوگی۔ جیسی گوہ سے مگر ایسی نفرت تو ہوسکتی ہے جیسی سنکھیا سے۔ سو گناہوں سے بچنے کیلئے اتنی نفرت بھی کافی ہے۔ (الفصل والانفصال ص ۸)

اعمال احوال سے مقدم ہیں۔ حصول احوال کا طریق ہی یہی ہے کہ اعمال میں لگ جاؤ۔ بدون اس کے احوال حاصل نہیں ہوسکتے۔ قاعدہ کی رو سے سلوک ہی جذب سے مقدم ہے اور وہب کا ذکر نہیں۔ مگر لوگ جذب کو مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ نصوص سے قاعدہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلوک جذب سے مقدم ہے۔ اور جذب سلوک پر مرتب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿ان رحمت اللہ قریب من المحسنین﴾

ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں انس کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں مثلاً بات بات پر رونا۔ اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ۔ مگر لوگ انہی آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور انس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہوجاتے ہیں۔ تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضائے

طبعی مرغوبات نفسانیہ کا کبھی نہ ہو۔ نہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔(فناء النفوس فی رضاء القدوس ص ۱۰)' (اشرف المسائل ۹۴)

تفویض کا مفہوم

عشق کی حقیقت تفویض ہے کہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ تشریعاً بھی اور تکویناً بھی اور یہ ہر حال میں راضی رہے۔ یہ حقیقت ہے تفویض کی جس کی ابتداء شیخ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کر دینے سے ہوتی ہے۔اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ تفویض جب خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تو شیخ کے ہاتھ میں تفویض کرنا غیر اللہ کو اللہ کا حق دینا ہے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ تفویض اس تفویض مطلوب کا مقدمہ ہے اس لئے تفویض الی الشیخ الی غیر الحق نہیں ہے۔(فناء النفوس فی رضاک)

مطلوب سالک دو قسم کے ہیں بعض غیر اختیاری ہیں اور بعض اختیاری۔ اور غیر اختیاری کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو شرعاً بھی مطلوب ہیں اور ایک وہ جو شرعاً مطلوب نہیں۔ یہ کل تین قسمیں ہوئیں۔پس ان میں سے امور اختیاریہ کا تو یہ حکم ہے کہ ان کو عمل کر کے حاصل کرو اور غیر اختیاری امور جو شرعاً غیر مطلوب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ ان کی طلب دل سے نکال دو ان کے درپے نہ ہو۔اور جو غیر اختیاری شرعاً مطلوب ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ مثلاً احضار قلب نماز میں مامور بہ ہے اور یہ اختیاری ہے۔اس کو تو عمل سے حاصل کرو۔ یاد رکھئے میں نے احضار قلب کہا ہے۔اس سے حضور قلب نہ سمجھئے گا۔ وہ اختیاری نہیں اور نہ اس کا مکلف کیا گیا ہے۔بلکہ حکم اس کا ہے کہ تم اپنی طرف سے قلب کو حاضر رکھنے کی کوشش کرو۔ اس احضار قلب کی حقیقت ان لوگوں سے پوچھو جو عمل کرتے ہیں۔ان سے نہ پوچھو جو ہر کام کو بدون عمل ہی کے دشوار کہہ دیتے ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار اس کی حقیقت یہ فرمائی کہ نماز فعل

مرکب ہے۔ جس کے مختلف اجزاء ہیں۔ قیام وقعود ورکوع و سجود اور قراءت واذکار وغیرہ۔ پس احضار قلب یہ ہے کہ اس کے اعمال واقوال کو حفظ سے ادا نہ کرو۔ بلکہ ارادہ اور توجہ سے ادا کرو۔ کہ اب زبان سے یہ نکال رہا ہوں۔ اب یہ لفظ کہہ رہا ہوں اور اب رکوع میں جاتا ہوں۔ اب سجدہ کر رہا ہوں۔ ہر ہر فعل اور ہر ہر لفظ پر جدید ارادہ کرو۔ اس طرح احضار قلب حاصل ہو جائے گا۔ مولانا کے اس ارشاد کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے۔

"من صلي ركعتين مقبلاً عليهما بقلبه"

اس میں ضمیر علیہما کا مرجع رکعتین یعنی صلوۃ ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔ اور وہ مرکب ہے۔ تو اس پر توجہ واقبال وہی ہے جو مولانا نے بیان فرمایا۔ یہ تو امر اختیاری ہے۔ اس کو تو ہمت وعمل سے حاصل کرنا چاہئے۔ اور ایک ہے حضور قلب یہ اختیاری نہیں یعنی اس کا وہ درجہ اختیاری نہیں جس کی سالکین کو طمع ہے۔ ورنہ جو درجہ حضور کا مطاوع احضار ہے وہ تو اختیاری ہے۔ اس حضور زائد کیلئے صرف دعا کرنا چاہئے۔ اس طرح ذوق وشوق وغیرہ بھی غیر اختیاری ہیں۔ ان کیلئے بھی دعا کرنا چاہئے۔ مجاہدہ وغیرہ اس کی تدبیر نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ان کیلئے صرف دعا آئی ہے۔

"اللهم اني اسئلك شوقًا الي لقائك"

سو مجاہدہ وغیرہ حصول شوق کی غرض سے نہ کرو۔ نہ شیخ سے اس کے حصول کی تدبیر پوچھو۔ نہ اس سے یہ شکایت کرو کہ ہمارے اندر شوق پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے لئے محض دعا کرو۔ (فنا النفوس فی رضا القدوس)

دل کی بات بتا دینا یہ علم غیب نہیں بلکہ کشف ہے۔ علم غیب اس کو کہتے ہیں جو بلا وسائط ہو اور یہ خاصہ الٰہی ہے۔ اور جو علم بذریعہ کشف ہو اس میں کشف واسطہ ہے اسلئے وہ علم غیب نہیں۔ (اشرف المسائل ۹۵)

ابن الوقت اور ابو الوقت کا مفہوم

ابن الوقت ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ دو معنی پر اس کا اطلاق آتا ہے ایک وہ سالک جو مغلوب الحال ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہو جاوے اس کے مقابل ابو الوقت ہے۔ یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو جس کیفیت وحالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کر لے۔ یعنی جس کیفیت کی طرف توجہ کرے اس کے آثار اس میں پیدا ہو جاویں مثل انس وشوق وفناء ووجد وغیرہ۔

فرمایا کہ طبیب سے یہ کہنا بھی بے موقع ہے کہ اگر مناسب سمجھیں خمیرہ گاؤزبان تجویز کر دیں اس سے تو حال کہہ کر مخلی بالطبع کر کے تدبیر پوچھنا چاہئے۔

کسی بی بی کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا ان کے عدم سکون پر یہ تحقیق بیان فرمائی کہ سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی، باطنی بھی، ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہو گا۔ سکون، دلجمعی اختیار میں نہیں اس لئے وہ مطلوب نہ ہو گا۔

فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو تعلق مع المخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے۔ اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جاوے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق۔

یہ تجربہ ہے ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا ہم اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بلخیؒ حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات معلوم ہیں اور حضرت خلفا راشدین رضی اللہ عنہم پر اپنے کو

قیاس نہ کیا جاوے ؎ کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر۔ (ص ۲۰۴)

ایک مولوی صاحب مجاز نے یہ شکایت لکھی تھی کہ اب تک الارم کے بغیر تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی افسوس ہے کہ خارجی چیزوں کی اب تک حاجت باقی ہے اس پر جواباً فرمایا کہ کن کن خارجی چیزوں کے احتیاج سے بچو گے۔ کھانے کی احتیاج ہے۔ لحاف ' بچھونے کی احتیاج ہے ' صدہا چیزوں کی احتیاج ہے جس طرح باطنی کیفیات حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں الارم وغیرہ خارجی چیزیں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی نعمتیں ہیں۔ کام نکلنا چاہئے ' چاہے خارجی نعمتوں سے نکلے خواہ باطنی نعمتوں سے پھر فرمایا کہ اس جواب سے انکی بالکل تسلی ہوگئی اگر اور جگہ پوچھا جاتا نہ جانے کیا کیا مجاہدے تجویز کر دیئے جاتے۔

ایک صاحب نے اپنے کرایہ داروں سے ترغیب نماز کے متعلق تشدد کیا ان سے کہا کہ اس مکان میں رہنے کی شرط یہ ہوگی کہ بلا عذر شرعی جماعت و مسجد کی پابندی میں فرق نہ آئے اور تخفیف کرایہ کی لالچ دلانی چاہی اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آپ کی جگہ میں کم ہمت ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا یعنی اپنے نفس کو تو یہ سمجھاتا کہ ان پر سختی اور ان تدبیروں سے اثر ڈالنا مجھ پر واجب نہیں پھر کیوں تعب میں پڑوں۔ البتہ اتنا ضرور کرتا کہ ترغیب کے ساتھ ان کو جمع کر کے وعظ سناتا اور ان کی رعائتیں بلا کسی شرط اور بلا کسی ضابطہ کے کرتا۔ وہ مانوس و منبسط ہو کر خود بخود کام کرنے لگتے۔ اور جو اس پر بھی متاثر نہ ہوتے ان کے حال پر چھوڑ کر صرف دعا پر اکتفا کرتا۔

فرمایا کہ اسلم طریق یہی ہے کہ اپنے محاسن اور طاعت کو زبان پر کبھی لاوے ہی نہیں بس اس مثل پر عمل چاہئے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور بیعت ہونا چاہا مگر اخیر میں انہوں نے دو عیب نکالے - ایک یہ کہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں' دوسرے یہ کہ لطائف کی تعلیم نہیں کرتے - جو کپڑے کہ میں اس وقت پہن رہا ہوں ان کو بڑھیا کپڑوں میں شمار کیا تھا حالانکہ میرے پاس جو مکلف کپڑے آجاتے ہیں ان کو پہنتا تک نہیں - بس میں نے ان سے کہا کہ آپ تشریف لیجائیے جہاں لنگوٹے بند ہوں وہاں جائیے - اور ایسے شخص کے پاس جائیے جہاں آپ سے پوچھ کر تعلیم کی جاوے - اگر میں لیپ پوت کر اور مختلف تدابیر سے ان کو اپنی طرف متوجہ کرتا مرید کرتا جیسا آج کل شائع ہے تو کیا نتیجہ ہوتا - اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کردے - ہم خدمت کرنے کو تیار ہیں مگر کسی کو لپٹتے نہیں - فہیم کا رہنا اچھا اور بد فہم کا نکل جانا ہی اچھا اور فرمایا کہ حضرت آج کل پیری مریدی محض دوکانداری و رسم پرستی ہو رہی ہے روغن قاز مل کر کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں اگر صدق بھی ہے تو تحقیق نہیں بعض جگہ اس کی کوشش ہے کہ امرا کو کھینچا جاوے حالانکہ خاک نشینوں کا مرید ہونا علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی اور دنیا دار امرا کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیا دار ہونے کی کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس یعنی جھکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے -

حکایت : کہیں قاز اور مور جا رہے تھے لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے - کسی فہیم نے کہا کہ بدوں اس کے ساتھ ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے - غور کر کے دیکھا تو دونوں لنگڑے تھے اور اگر اہل حق کے یہاں امرا بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں لہٰذا وہ بھی غربا ہی رہے بڑا ہو کر چھوٹا ہو جاوے یہ ہے کمال - یہ باتیں ہیں سمجھنے کی - اس سے حضرت والا کی فراست' شان تربیت' استغنا صاف ظاہر ہے - اور رسم پرستی کی

مخالفت بھی۔(ص ۲۲۲)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ.﴾

یعنی آپ کو خوشنما نہ معلوم ہوں ان کے اموال واولاد کیونکہ اللہ تعالیٰ یوں چاہتا ہے کہ اولاد اور اموال سے انہیں دنیا ہی میں عذاب دیں آخرت میں عذاب الگ ہوگا۔ دنیا ہی میں اولاد واموال کو آلہ تعذیب بنادیں۔ دنیا ہی میں عذاب ہوجاوے۔ حقیقت میں عذاب ہی ہے۔بعضوں کو تو مال کی حفاظت کی فکر میں سونا نصیب نہیں ہوتا۔(راحت القلوب ص ۳۰)

یہی اولاد کی کیفیت ہے اول تو مدتوں کی آرزوؤں کے بعد خدا خدا کرکے اولاد ہوئی پھر کوئی بچہ بیمار ہوا یہاں تک کہ مایوسی تک نوبت پہنچ گئی۔اب پریشان ہیں کہ اے اللہ کیا ہوگا۔اگر یہ مرگیا تو میں کیونکر زندہ رہوں گا۔ہائے کیا حال ہوگا۔قبل از مرگ واویلا۔ مرنے کا اتنا غم بھی نہ ہوگا جیسی تکلیف اس سوچ میں ہے کہ ہائے اگر مرگیا تو کیا ہوگا۔ غرض کسی طرح چین نہیں بے چین ہیں پریشان ہیں۔یہ مزا ہے اولاد کا اور اموال کا۔فرمائیے یہ مصیبت ہے یا نہیں اسی کو فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا ہی میں آلہ عذاب ہے جس کے پاس مال اور اولاد کی کثرت ہے اس کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت ایک عذاب جان میں مبتلا ہے پھر بتلائیے ایسے شخص کی بابت کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ چین میں ہے۔ ہرگز نہیں۔ دنیا دار کوئی چین میں ہو ہی نہیں سکتا۔

حقیقت توکل

توکل کی دو قسمیں ہیں علماً و عملاً۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی و مدبر حقیقی حق جل علیٰ شانہ کو سمجھے اور اپنے کو ہر امر میں ان کا محتاج اعتقاد کرے۔ یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزء عقائد اسلامیہ ہے قسم دوم توکل عملاً اس کی حقیقت ترک اسباب ہے۔ پھر اسباب کی دو قسمیں ہیں۔ اسباب دینیہ و اسباب دنیویہ۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران و حرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں۔ اگر لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔ اور اسباب دنیویہ جن سے دنیا کا نفع حاصل ہو۔ اس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام۔ اگر حرام ہو اس کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے۔ اور اگر حلال ہو اس کی تین قسمیں ہیں یقینی اور ظنی اور وہمی اسباب وہبیہ جن کو اہل حرص و طمع اختیار کرتے ہیں۔ جس کو طول امل کہتے ہیں۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض وواجب ہے اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہوجاوے جیسے کھانے کے بعد آسودگی ہوجانا۔ پانی کے بعد پیاس کم ہوجانا۔ اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل جائز ہے اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہوجاوے مگر بارہا تخلف بھی ہوجاتا ہو۔ جیسے علاج کے بعد صحت ہوجانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جس کو عرف اہل طریقت میں توکل کہتے ہیں۔ اس کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کیلئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اس کیلئے مستحب بلکہ اس سے بھی کسی قدر موکد ہے۔

خلاصہ توکل

پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علمی تو مطلقاً اور عملی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دینوی موہوم فرض اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و دنیویہ مباحہ یقیناً حرام ومذموم وبمعنی ترک اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب پس تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے ورنہ کوئی منافات نہیں۔ (ایضاً ص ۷)

اس رعایت وشفقت کی قدر کی ہے صوفیا کرام نے کہ ترک اسباب کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے غلاۃ فی الزہد کرتے ہیں۔ محققین کا مذہب یہی ہے کہ ایسا زاہد بے ادب ہے۔ کمال ان ہی حضرات کا ہے کہ انہوں نے زہد کو جمع کیا ہے اسباب کے ساتھ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ سنسان جنگل میں بیٹھنا توکل میں جائز نہیں گھر ہی پر بیٹھو۔ اور دروازہ کھول کے بیٹھو۔ مگر دروازہ کو دیکھو مت اسی کی نسبت غیر عارفین نے تنگ ہو کے کہہ دیا ہے ؎

(اشرف المسائل ص ۱۲۷)

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

مگر یہ دشواری اس کو ہے جو تیرنا نہیں جانتا اور جو تیرنا جانتے ہیں اور ان کے دامن بھی اونچے ہیں وہ کھڑے ہو کر تیرتے ہیں اور دامن کو صاف بچا لیتے ہیں۔ کیونکہ محققین ہمیشہ جامع بین الاضداد ہوتے ہیں۔ اسی واسطے اسباب سے استعمال کا تعلق بھی رکھتے ہیں اور توجہ کا تعلق نہیں بھی رکھتے۔ (العبادہ ص ۷)

وہ حکیم عطائی ہے جو سب کو تارک بنا کر متوکل بنانا چاہے۔ توکل دیکھئے

حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمرؓ نے اول اول نہیں لی۔ پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ پر کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ وہ متوکل نہ تھے۔ نیز حضرات صحابہؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے اور یقیناً صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہو سکتا۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کیلئے مال جمع نہ کرنا شرط ہے توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کر کے پھر ان پر نظر نہ کرے۔

(حرمات الحدود ص ۲۸)

روزی کا مدار محض تدبیر پر نہیں ہے

اور در حقیقت اگر روزی صرف سعی و تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آدمی حکمت و تدبیر سے غنا حاصل کر سکتے تھے۔ مگر غنا اور تمول دیکھا جاتا ہے کہ حکمت اور تدبیر اور سعی پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی جو دو آنے، تین آنے کی مختصر مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھ پتی ہو گیا۔ اگر غنا تدبیر اور سعی سے بلا تقدیر حاصل ہو سکتا ہے تو ہم ایک دوسرا آدمی منتخب کرتے ہیں جو قوت اور ہمت، رائے و تدبیر میں اس سے زیادہ اور مدت بھی اس کے لئے دونی تجویز کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنہ روزانہ ملتے تھے ہم اس کو چار آنہ یومیہ دیتے ہیں اور اس پہلے شخص کا تمام کارنامہ اس کو دیئے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس پہلے کے برابر یا اس کے قریب مضاعف مدت میں کما سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ترقی کے اسباب اور تدابیر بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں کہ جن کی تدبیر اور سعی کے ساتھ تقدیر بھی مساعدت کرتی ہے ورنہ ان سے دگنی محنت کرتے ہیں اور افلاس نہیں جاتا۔ (الرفیق ۱۸۰)

اصل یہ ہے کہ نہ تو نرے اسباب پر مدار ہے بلکہ تقدیراور مشیت کی موافقت شرط ہے اور نہ یہ کہ کارخانہ اسباب بالکل معطل ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعاء سے ہی کام لیا جائے افراط اور تفریط دونوں کو چھوڑیں اس طرح سے کہ اسباب کو بھی اختیار کریں کیونکہ اس میں بھی اظہار ہے عبدیت اور افتقار الی اللہ کا اور اسباب کے بھروسہ دعاء سے بھی غفلت نہ کی جائے۔ہم میں بعضے جو متوکل ہوئے تو اس میں بھی غلو کرنے لگے ہیں۔ہماری بھی وہی مثال ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس غلو کی بدولت بعض اوقات توکل نام ہوتا ہے واقعہ میں تعطل وکم ہمتی کا۔

چو باز باش کہ صیدے کنی ولقمہ وہی
طفیل خوارہ مشوچوں کلاغ بے پروبال

تدبیر و اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں ہے

اس کی بعینہ مثال تو وکیل کی سی سمجھ لینا چاہئے مثلاً جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل مقرر کرنے کے بعد یہ شخص خالی بیٹھ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جتنی کوشش اس سے ہوسکتی ہے خود بھی کرتا ہے اور اس کو خلاف توکیل نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ کرے گا جو مجھ سے کچھ ہوسکتا ہے مجھ کو کرنا چاہئے اسی طرح تدبیر کرنا اعتدال کے ساتھ توکل کے خلاف نہیں۔

بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور محض غیر اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلا دخل نہیں محض دعاء ہی پر ان کا مدار ہے سنن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دعاء کے ساتھ کچھ صورت تدبیر اختیار کی جاتی ہے۔

چنانچہ ایک قصہ حدیث سے بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح توکل اور دعاء کو جمع فرمایا۔ایک صحابی جن کا نام مقداد ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کے مکان پر مسافرانہ مقیم تھے اور ان کو حضور ﷺ نے بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر کچھ خود اور رفقہ پی لیا کریں اور کچھ ہمارے لئے رکھ دیا کریں۔اور ان کا اسی طرح معمول تھا۔وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ کو آنے میں دیر ہوئی تو میں سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کی کہیں دعوت ہوگئی ہوگی یہ خیال کرکے آپ کا حصہ بھی پی گیا۔مگر اتفاق سے جب پی چکا اس وقت خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو بے چینی کا یہ حال ہوا کہ کروٹیں بدلتا رہا نیند نہیں آتی اس شش وپنج میں تھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔

عشاء کے بعد تشریف لائے اور حسب معمول سلام کرکے برتنوں کی طرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پی کر لیٹ گئے تھے یہ سب دیکھ رہے ہیں آپ کو اس میں دودھ نہ ملا۔چونکہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور طعام کی حاجت تھی آپ نے حسب معمول کچھ نفلیں پڑھیں اور یوں دعا فرمائی۔ اللھم اطعم من اطعمني دیکھئے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعاء میں آپ نے توکل کے ساتھ اسباب کی کس لطیف طور پر رعایت فرمائی کہ یہ ظاہر کردیا کہ کھانا اکثر اسی طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے۔ورنہ یہ بھی تو دعاء فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے مائدہ یا رزق بھیج مگر آنحضرت ﷺ نے توکل اور تدبیر کو کس لطیف طریق جمع فرمایا۔اس دعاء کے سننے کے بعد وہ صحابی اٹھے چونکہ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء قبول ہوئی ہوگی اس لئے گو بکریوں کا دودھ دوہ چکے تھے مگر پھر برتن لیکر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اس قدر دودھ دیا کہ برتن بھر گیا۔اس برتن کو لیکر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت کس طور

پر فرمائی۔پس معلوم ہوا کہ نہ دعاء کے بھروسے سے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔اعتدال اصل طریقہ نبویہ ہے اور یہ بدون تحصیل تبحر وعلوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے۔
کوئی آسان کام نہیں جو ہر ایک دعویٰ کرنے لگے۔

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن

آنحضرت کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی ضرورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے سے مت اتارنا پھر اس میں اگر آب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔اس طرح حدیث میں اور بھی معجزات کے قصے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی گئی۔مثلاً چولھے پر ہانڈی اور توے کا رکھا رہنا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا۔ورنہ ایسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔

اسباب کے اندر منہمک ہونا سبب ہے ترک دعا کا

یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے سید المرسلین سے ان کو سیکھنا چاہئے ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہوجاتا ہے انہماک فی الاسباب کا۔جو ایک سبب ہے ترک دعا کا۔جس کا حاصل ہے اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر نہ رکھنا اور عقیدت کی کمزوری۔

فیصلہ متعلقہ کسب و توکل

التکشف۔تدبیر میں دو مرتبے ہیں ایک اس کا نافع ہونا دوسرا اس کا جائز ہونا۔سو نافعیت میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں اور اس کے جواز میں یہ تفصیل ہے کہ اسمیں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکماء طبعیین ومنکرین قدر کے مستقل بالتاثیر سمجھا جاوے۔سو یہ اعتقاد شرعاً حرام وباطل ہے البتہ تاثیر غیر مستقل کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں۔سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے۔کیسا ہے سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت ہے۔اگر معصیت ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب 'اگر واجب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے اور اگر مستحب ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر وہ دنیا ہے مباح ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ دنیا ہے مباح ضروری ہے یا غیر ضروری اگر ضروری ہے تو اس کے اسباب کو دیکھنا چاہئے کہ ان پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی اگر یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اختیار اسباب واجب ہے اور اقویا کے لئے گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے اور اگر وہ دنیا ہے مباح غیر ضروری ہے تو اگر اس کے اسباب کا اختیار کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص حکم ہے۔

اخلاق حمیدہ کے بیان

امراض روحانی کا علاج

حال : امراض روحانی کی حالت امراض جسمانی سے بھی بدتر ہے امراض جسمانی کا اہتمام تو ہے امراض روحانی کے متعلق یہ بھی نہیں۔ اگر اسی حالت میں خاتمہ ہوگیا تو خسر الدنیا و الاٰخرۃ مجھے آپ کی دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے جس وقت یاد آجاوے میرے لئے دعا فرمادیا کیجئے۔ جب میں اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو خوب روتا ہوں مگر کیا نتیجہ۔ ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھ لیتا ہوں اور بارہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ دو مختلف جلسوں میں عامیانہ طور پر پورا کرلیتا ہوں۔ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھتا ہوں مغرب کے بعد چار نفلیں زائد پڑھ لیتا ہوں۔ عشاء کے بعد چار نفلیں بہ نیت تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ اس وقت کل یہ معمول ہے اطلاعاً معروض ہے۔

تحقیق : امراض روحانی کا ایک علاج جیسا اختیاری ہے اور اس میں اہتمام کی ضرورت ہے۔ دوسرا علاج غیر اختیاری بھی ہے یعنی سقم یا ہم یا غم اگرچہ طاعات غیر واجبہ میں کماً یا طاعت واجبہ میں کیفاً کچھ نقص یا خلل ہی واقع ہوجائے تب بھی باطنی نفع اس پر مرتب ہوتا ہے۔ اگرچہ کلفت کے غلبہ سے یا ادراک کی کمی سے اس وقت محسوس نہ ہو مگر ترتب تو اسی وقت اور احساس بعد میں ہوتا ہے۔ اب اس کا غم نہ کیجئے اور اگر ازالہ غم پر قدرت نہ ہو تو پھر یہ غم بھی علاج ہے۔ باقی دعا میں اس جزو کو بھی شامل کر دیا ہے۔ (النور صفر ۱۳۵۱ھ)' (تربیت سالک باب دوم ص ۳۶)

صاحب تکوین ایک خاص منصب ہے

حال :ایک عرصہ سے یہ خیال بھی دل میں آرہا ہے کہ خدمت تکوین میرے سپرد ہوئی ہے پہلے تو اس کو معمولی خیال سمجھ کر ٹال دیا مگر جب آثار نظر آئے تو فکر ہوئی اور یہ خیال کیا کہ اگر عرصۂ دراز تک یہی خیال دل میں رہا اور آثار بھی ممتد رہے تو حضرت سے عرض کرونگا ورنہ وسوسہ سمجھ کر ٹال دوں گا۔اب عرصہ دراز ہوگیا ہے تقریباً چھ ماہ اور شروع اس وقت سے ہوا جبکہ خواب میں دو تین بزرگوں کو رسالہ ــــــ کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ حضرت شیخ ــــــ قدس سرہ تجھ سے بہت خوش ہیں اور تجھ کو ان کی جماعت میں داخل کرلیا گیا اور قیامت میں تو ان کے ساتھ ہوگا"۔اس خواب کے بعد یہ آثار شروع ہوئے کہ اول تو فلاں مقام کا صاحب خدمت مجذوب جب مجھے ملتا اہتمام سے سلام کرتا۔دوسرے جب کوئی واقعہ مہتم بالشان تکوین کے متعلق ہوتا مجھے اسی کا فکر سوار ہوجاتا (پہلے یہ حالت نہ تھی) مثلاً فلاں معاملہ جب پیش ہوا تو مجھے فکر سوار ہوگیا اور بحمداللہ جتنی بار میری موجودگی میں وہ معاملہ معرض بحث میں آیا اہل معاملہ ناکام رہے اسی طرح مسلم نمائندے جن کو میرے دل نے چاہا وہ کامیاب ہوئے۔فلاں عہدہ کا انتخاب میرے سامنے شروع ہوا جس کو میرے دل نے چاہا وہی کامیاب ہوا غرض اسی طرح بہت سے واقعات میں ظہور ہوا۔جن کی تفصیل دشوار ہے اور بیکار۔

تحقیق :اس خیال کے قائم کرنے میں ذہن نے جلدی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آثار علامات خاصہ نہیں ہیں۔تصرف فی التکوین کے اور نہ صاحب تکوین ہونا دلائل وعلامات سے معلوم ہوتا ہے۔یہ تعلق بالتکوین ایک خاص منصب ہے جس کو عطا ہوتا ہے اس کو اس کا علم ضروری غیر استدلالی دیا جاتا ہے نہ اس میں تدریج ہے نہ تدبر و تفکر ہے اور یہ آثار مذکورہ فی السوال کبھی برکت کے نتائج بھی

ہوتے ہیں اور کبھی دعا کے کبھی کسی دوسرے شخص کی توجہ کے۔جس کی اس خیال والے کو اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ صاحب تکوین کی شان تو حضرت خضر علیہ السلام یا ملائکہ کی سی ہوتی ہے۔ کہ وہ بلا تعشم یہ کہہ سکتا ہے وما فعلته عن امري غرض یہ آثار برکت پر بھی مرتب ہوجاتے ہیں اور صاحب تکوین صاحب حرکت ہوتا ہے اس لئے یہ خیال بے اصل ہے۔(تربیت سالک باب دوم ص ۵۰' ۵۱)' (النور۔ذیقعدہ ۵۲ ۱۳ھ)

مجاہدہ مطلقاً مخالفت نفس کا نام نہیں

حال : مجاہدہ کے متعلق ایک مضمون دل میں آتا رہتا ہے۔اس کو عرض کر کے تشفی چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجاہدہ نام ہے مخالفت نفس کا۔

تحقیق : مطلقاً نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس مامور بہ نہ ہو ورنہ نفس مطمئنہ کو خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہ ہو بعض اوقات مامور بہ کی بھی رغبت ہوتی ہے حالانکہ اس کی مخالفت مجاہدہ نہیں۔جعلت قرة عيني في الصلوة یقیناً دال ہے مرغوبیت صلوۃ پر اور ظاہر ہے کہ اس کا ترک مطلوب نہیں اور مامور بہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہوگا تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہوگا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے۔

اور نفس کے تقاضے مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں تو انواع مجاہدہ بھی مختلف ہوئے حتیٰ کہ بعض اوقات تبسم اور ضحک بھی مجاہدہ ہے جیسا کہ حضور پرنور علیہ السلام کی شان كان دائم الفكرة متواصل الاحزان ولصدره ازيز كازيز المرجل کے باوجود آپ کا تبسم اور مزاح فرمانا اعلیٰ ترین مجاہدہ نظر آتا ہے۔

تحقیق : یہ حکم موقوف اس پر ہے کہ آپ کے تبسم کو طبعی نہ کہا جاوے۔یہی حکم غلط ہے بلکہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہوسکتا ہے جیسا غلبہ خشیت میں طبعی

جوع و عطش و نوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

حال: شبہ دل میں یہ آتا ہے کہ بعض اوقات بسط کی حالت میں علماء کو تقریر و تحریر یا مطالعہ و کتب بینی میں خوب دلجمعی ہوتی ہے۔ اسی طرح ذاکرین کو ذکر و نوافل میں بہت حظ حاصل ہوتا ہے تو اس وقت مجاہدہ کا مقتضا یہ ہونا چاہئے کہ اس عمل مرغوب کو ترک کر کے کسی عمل حسن غیر مرغوب میں اشتغال اختیار کیا جاوے تب ہی اصل مجاہدہ ہو گا ورنہ بوجہ خلط حظ نفس مجاہدہ ناقص ہو گا۔

تحقیق: یہ طاعات ماموربہ ہیں اس لئے ان کا ترک مجاہدہ نہ ہو گا کما ذکر اولاً. (تربیت سالک باب دوم ص ۵۱' ۵۲)

حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں

حال: واپسی خدمت کے بعد بڑا انقلاب جس سے میں سخت گھبرا گیا ہوں یہ ہے کہ ذوق' شوق' جوش' رقت اور خشوع غائب ہو گیا۔ شروع میں تو تھا مگر اب تو بالکل نہیں ہے۔

تحقیق: کیا کوئی دینی ضرر ہو گیا۔

حال: اور طبیعت نہایت ساکن اور جامد ہو رہی ہے مجھے ذکر کرتے ہوئے بہت لطف آتا تھا۔ معلوم نہیں کہ اب کیوں نہیں آتا۔ سخت تردد ہے۔

تحقیق: کیا تردد پر اجر نہیں ملتا اور کیا ذوق' شوق سے بھی اجر ہی مقصود نہیں۔

حال: اگر حضور اجازت دیں اور مناسب سمجھیں تو جناب ــــــــ صاحب (یکے از مجازین) کو فرمادیں کہ وہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرا دیں۔

تحقیق: اس کی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود

منزل پر پہنچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے۔ آگے رہی موزونیت۔ اس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔

حال : میرا خیال ہے کہ میرا قلبی لطیفہ اسم ذات اللہ کا ذکر ہے۔ کسی زمانہ میں حضور سے اس کی اجازت لے کر لطائف ستہ کی کوشش کیا کرتا تھا۔

تحقیق : حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔

حال : حضور سے دور ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر کروں۔

تحقیق : یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔

حال : اور ان کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں۔

تحقیق : ثمرات کی روح اجر و قرب ہے۔

حال : میں تو پھر اپنے اسی جوش و ولولہ اور سوزش کا متمنی ہوں اور پھر وہی خشوع اور رقت چاہتا ہوں۔

تحقیق : کیا ملے گا مذہب عبد کا یہ ہے اور ہونا چاہئے ؎ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است۔ (تربیت السالک باب دوم ص ۵۲)' (النور رمضان ۵۲ ھ ۱۲)

محبت کے آثار مختلف ہوتے ہیں

حال : حضرت مخدوم و محترم ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خود قلم مبارک کے نامہ والا نے دست[۱] والا کی خیریت سے تو اطمینان بخشا لیکن

---

[۱] اس کے ذرا قبل انگلیوں میں سردی کا کچھ اثر ہو گیا تھا۔ ۱۲

اپنے دل کی خیریت سے اور بدگمان کر دیا۔ تھانہ بھون سے لکھنؤ تک اہل محبت کے اس موقع پر پریشانی و بے قراری کا جو ظہور ہوا وہ محبت کا عین اقتضاء تھا جس پر مجھ کو بیحد رشک آیا اور اپنے دل کی اس بے حسی پر نفریں کی۔ محبت کی راہ سے تو کوئی پریشانی و اضطراب محسوس نہیں ہوا صرف عقیدت کی راہ سے یہ دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل سے طویل حیات عطا فرماویں اور اس کے افادات و برکات اپنے بندوں اور امت مرحومہ پر تادیر قائم رکھیں۔ الحمدللہ کہ حضرت سے عقیدت تو بہت غیر معمولی پاتا ہوں لیکن اپنے منعم و محسن سے کچھ نہ کچھ طبعی محبت ہو جانا بھی تو معمول انسانیت ہے۔ حضرت کے میرے دنیا اور دین دونوں پر کتنے احسانات ہیں اور پھر کتنی شفقت ہے اس کا خیال کرتا ہوں تو اپنی قساوت قلب کی شرم سے گڑا جاتا ہوں لیکن اتنی سنگدلی بھی بری بیماری ہے کہ مشکل ہی سے کبھی رونا آتا ہے اس لئے اس موقع پر شرم کو دور کر کے اپنے اس مرض کو ہی عرض کر دینے کا جی چاہا۔ الحمدللہ کہ رحم سے تو دل کو خالی نہیں پاتا۔ انسان کیا حیوان کی مصیبت پر بھی پسیج جاتا ہے اور اپنی ہمت بھر ہر طرح کی اعانت۔

مشائخ کو چاہیئے کہ وہ غیبت نہ سنیں

جو لوگ مقتدا ہیں وہ اس کی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنیکی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلائق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لاتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت حاجی صاحب ؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص

آپ کو یوں کہتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا۔ لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ (الرفیق حصہ اول ص ۹)

ذکر موت سے مقصود معاصی سے رکنا ہے

حال : پہلے ایک خط میں موت کے خوف کی وجہ سے بعض اوقات سخت پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ اور حضرت والا نے اس کا علاج بتایا تھا الحمد للہ کہ اب وہ بات نہیں ہے وقتاً فوقتاً شدائد موت کا تصور ہوتا ہے لیکن پہلے جو پریشانی ہوجاتی تھی وہ نہیں ہوتی۔

تحقیق : تو ضرر کیا ہے پریشانی تو مقصود نہیں۔ بلکہ ذکر موت سے مقصود صرف کف عن المعاصي ہے۔ اگر اس کا ملکہ ہوجاوے تو پھر اس ذکر موت ہی کی ضرورت نہیں۔ (تربیت السالک باب دوم ص ۱۸۲)' (النور۔ ربیع الثانی ۵۹ ۱۳ھ)

رضا بالقضاء کی حقیقت اور اسکے تحصیل کا طریقہ

حال : رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جائے اور اس کا معیار اور مقدار بھی ارقام فرمایا جاوے کہ انسان اس کے متعلق کس قدر کا مکلف ہے اور اس کا شرعی مفہوم مصطلح کیا ہے۔

تحقیق : رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے۔ اور اول حال ہے جس کا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جس کا عبد مکلف ہے۔ تدابیر اس کی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الہیہ کا واقعات خلاف طبع ہیں۔

(النور ص ۱۲۸)

یہ اعتقاد کہ میرے پاس کچھ عمل نہیں یہ بھی عمل ہے

حال : تقریباً ساٹھ سال کی میری عمر آگئی لیکن کوئی عمل بجز آپ کے تعلق کے میرے پاس نہیں۔

تحقیق : یہ اعتقاد کہ میرے پاس کوئی عمل نہیں کیا تھوڑا عمل ہے۔

حال : اللہ تعالیٰ سے امید بخشش کی رکھتا ہوں۔اس لئے کہ وہ غفور ورحیم ہیں ستارا لعیوب ہیں۔

تحقیق : یہ دوسرا عمل ہے۔

حال : الحمدللہ آنحضرت کے کرم اور فیض وبرکت سے میرا قلب روشن ہے۔ بھلائی اور برائی کی امتیاز ہو جاتی ہے۔علم اور سمجھ تو ہے مگر عمل نہیں۔

تحقیق : علم اور سمجھ کا درجہ بعض وجوہ سے عمل سے بھی زیادہ ہے۔

حال : خدارا وہ طریقہ بتادیجئے جو توفیق عمل ہو۔

تحقیق : قصد اور دعا۔(النور محرم ۵۸ ۱۳ھ)' (تربیت السالک باب چہارم ص ۲۲۴)

قبض کے بعض اسباب

سوال : میں جو ذکر تہجد اور فجر اور ظہر کے بعد کرتا تھا اب ایسی حالت ہوگئی ہے کہ دل کو ذکر سے بالکل نفرت ہوگئی ایک دم بھی مشغول ہونے کو نہیں چاہتا بلکہ ہر نیک فعل میں ایسا ہی ہوگیا اس کا علاج کیا ہے؟ اور کیا کروں ایسی حالت کو تخمیناً ایک مہینہ ہوا خدا جانے میری تقدیر میں کیا لکھا ہے میں اس ذکر واذکار کے سبب سے اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوا ہوں حضرت کی خدمت شریف سے اگر اس ذکر ہی میں تھا۔ آج ایک برس ہوا اب تہجد کی نماز بھی چھوڑ دی ہے دل میں ذوق وشوق ایک دم کو بھی نہیں کسی کام میں دل ذوق شوق سے رجوع نہیں

ہوتا۔

جواب : یہ حالت قبض کہلاتی ہے اس کے اسباب مختلف ہیں اور ہر ایک کی جدا تدبیر کیا آپ کے قلب میں کسی کا عشق تو نہیں ہوگیا یا کسی ناجنس دنیا پرست کی صحبت تو نہیں ہوئی اطلاع دیں۔(ص ۵۴۲' تربیۃ حصہ دوم ص ۴۴)

حبط اعمال کا خوف علامت ایمان ہے

حال : صورت حال یہ ہے کہ جو احکام زبان مبارک سے حضور نے فرمائے تھے اب تک ان کو بجالاتا ہوں یعنی نماز پنجوقتہ اور تہجد شب کو مع بارہ تسبیح کے صبح کام کے بعد کو مناجات مقبول عربی پڑھ کر اپنے کام پر جاتا ہوں لیکن بندہ کو خوف ہے کہ یہ محنت بیکار جاوے تو سخت مشکل کا سامنا ہو۔

تحقیق : یہ خوف تو علامت ایمان کی ہے۔

سوال : لہٰذا مستدعی ہوں کہ برائے خدا بندہ کو ایسا اصول بتادیا جائے کہ درجہ یقین تک پہنچ جائے۔

جواب : یہ یقین جائز ہی کب ہے کہ ہمارے اعمال سب مقبول ہوتے ہیں اور اس کے خلاف اعمال بالکل باطل ہے۔(تربیۃ حصہ سوئم ص ۶)

دنیاوی پریشانی کا علاج

حال : خاکسار کی طبیعت ان دنوں زیادہ پریشان رہتی ہے اگرچہ یہ خاکسار دنیوی امور کے متعلق لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس خیال سے عرض کر دیا ہے کہ خاکسار کے خیال کے مطابق اس پریشانی کا اثر دین کے کاموں میں پڑ رہا ہے اسلئے عرض کرنا مناسب تصور کیا ورد و وظائف باقاعدہ نہیں ہوتے اور نہ بوقت تہجد باقاعدہ آنکھ کھلتی ہے اکثر اوقات دیر ہوجاتی ہے جس نے پریشانی کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

تحقیق : پریشانی کی طرف التفات کرنا سبب زیادہ پریشانی کا ہوتا ہے جب پریشانی ہو بجائے اس کی طرف متوجہ ہونے کے حق تعالیٰ کی طرف یہ خیال کرکے متوجہ ہوں کہ وہ ان سب امور میں ہم کو کافی ہے اور اسی سے تعلق بڑھانا سب بلیات کا دافع ہے۔ بس اس طریق سے آناً فاناً اس پریشانی کا اثر گھٹتا جاویگا حتیٰ کہ بالکل نابود ہو جاوے گی کرکے دیکھئے اور آرام لیجئے۔ (ص ۴۴۵ تربیۃ حصہ سوم ص ۷)

قلبی سوزش کا علاج

سوال : کیفیت یہ ہے کہ تھوڑے عرصہ سے قلب کو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ سوزش کہوں یا آگ کہوں ہروقت معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شے رینگ رہی ہے۔ اب تک میں نے یہ خیال کیا کہ کچھ مرض ہے۔ اسوقت یہ خیال ہوا کہ حضور کو اطلاع دوں کہ یہ کیا بات ہے میرے واسطے مضر ہے یا مفید ہے۔

جواب : یہ سوزش کبھی ذکر کے اثر سے بھی ہوتی ہے اور کبھی مرض سے اول طبیب سے رجوع کرنا چاہئے اگر وہ مرض سے اطمینان دلادیں تو پھر دستور العمل ذیل کا اختیار کریں۔

نمبر(۱) جہر اور ضرب کو چھوڑ دیں۔ نمبر(۲) ذکر کے بعد ایک ہزار بار یَابَاسِطُ پڑھیں۔ نمبر(۳) درود شریف گیارہ بار بعد ہر نماز کے پانی پر دم کرکے پیا کریں۔ نمبر(۴) حق تعالیٰ کی رحمت کے مضامین کا مطالعہ کریں۔ اگر کتاب کیمیائے سعادت یا اس کے ترجمہ اکسیر ہدایت کا باب الرجاء یعنی اس کتاب کا مطالعہ کریں تو مناسب ہے۔ نمبر(۵) مفرحات و مقویات قلب کا استعمال رکھیں۔ اور بعد ایک ہفتہ کے پھر اطلاع دیں۔

حال : میرے مزاج کے اندر دو ایک بات جدید پیدا ہوگئی ہیں کہ ایک غصہ سے مرعوب ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ مجھ کو خود پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے۔ دیگر دل ایک

قسم کا جان طبیعت یکسو حالت پر نہیں رہتی ہے۔ میرے واسطے حضور دعاء فرمائے گا۔ کہ خداوند تعالیٰ اس مصیبت کو رفع کرے۔

تحقیق: غصہ کا علاج حق تعالیٰ کے غضب اور اپنے گناہوں کو یاد کرنا ہے جو اس کا علاج ذکر اللہ کی کثرت مع توجہ' اس سے پریشانی جاتی رہے گی' دعاء بھی کرتا ہوں۔

حال: چند روز پہلے تو حرارت کا یہ حال تھا کہ بوقت ذکر یا صلوٰۃ قلب میں محسوس ہوتی تھی مگر اب ۲۴ گھنٹہ اناء اللیل والنہار یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلب کے سامنے مجمر روشن ہے مگر ابھی تک نہیں۔

تحقیق: شاید یہ بڑھ جاوے اس لئے حفظ ماتقدم ضروری ہے ایک تو مختلف اوقات درود شریف کی کثرت رکھئے۔ دوسرے ۱۵ منٹ روزانہ جبکہ معدہ پر نہ ہو اپنے قلب پر چاند طلوع ہوا ہوا تصور کیا کیجئے۔ تیسرے کوئی تدبیر طبی حضرت حکیم صاحب سے دریافت کیجئے اور اطلاع دیجئے۔ (ص ۵۴۵' تربیۃ حصہ پنجم ص ۲۱۳)

تحقیق فضیلت حب عقلی بر عشق

سوال: ایک بات قابل دریافت ہے وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہید" نے حب ایمانی یا عقلی کو حب نفسانی یا عشق پر بہت کچھ ترجیح دی ہے اور طریق عشق کو ایک حد تک مذموم ثابت کیا ہے۔ حالانکہ بڑے بڑے صوفیہ کرام مولانا روم" جامی" وغیرہ نے عشق کی مدح سرائی کی ہے اس بات میں حضرت کی جو تحقیقی رائے ہو اس سے مفصل مطلع فرمایئے۔

جواب: اول یہ مقدمات سمجھنا چاہئے۔ اول فضیلت دو طرح کی ہوتی ہے ایک باعتبار ذات شے کے دوسری باعتبار کسی حالت خاصہ کے اول کو فضیلت ذاتیہ دوسری کو اضافیہ کہنا مناسب ہے۔ دونوں کمالات ولایت کے مستفاد ہوتے ہیں

کمالات نبوت سے اسلئے جو کمال ولایت کا جس قدر کمال نبوت کیساتھ مشابہ ہو گا دوسرے کمال سے جو مشابہت میں کم ہے افضل ہو گا۔ سوم عشق ایک خاص درجہ ہے محبت کا جس میں ہیجان وغلیان ہوتا ہے۔

ان مقدمات کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں جو صفت محبت الٰہی کی ہوتی ہے اس میں ہیجان نفسانی نہیں ہوتا اسلئے بالیقین یہی نوع محبت کی فی نفسہ افضل ہوگی مگر کسی خاص استعداد وصلاحیت کے اعتبار سے تربیت باطن میں دوسری نوع کا انفع واوفق ہونا ممکن ہے جیسے کہ گوشت فی نفسہ افضل الاغذیہ ہے لیکن کسی خاص طبیعت کے اعتبار سے آش جو کو اصلح کہا جاتا ہے پس مولانا شہید رحمتہ اللہ علیہ فضیلت ذاتیہ کے مرتبہ میں حب ایمانی کو ترجیح دے رہے ہیں اور بعض آثار مغلوبیت کے اعتبار سے حب نفسانی کو مضر بتلا رہے ہیں اور دوسرے حضرات صوفیہ رحمہم اللہ فضیلت اضافیہ کے مرتبہ میں عشق کی مدح کر رہے ہیں کیونکہ ایسے مضامین اکثر اہل حال کے کلام میں وارد ہیں جن کو تحقیقات عامہ مقصود نہیں یا مراد ان حضرات کی اصطلاحاً عشق سے مطلق کمال محبت ہو جو شامل ہے محبت ایمانی کو بھی اور مقصود مذمت کرنا ہو اس شخص کی جس میں یہ کمال نہیں ہے جیسے حدیث میں ہے لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ (الحدیث) پس دونوں توجیہ پر مولانا اور صوفیہ کے کلام میں تعارض نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (از التکشف ص ا ص ۲۲۱)

معالجہ عشق مجازی

اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے کو کسی کام میں لگا دو جس میں کھپ جاؤ اگر دین کا کام نہ ہو تو دنیا ہی کا کوئی جائز کام کرو مگر کسی کام میں لگ جاؤ طبیبوں نے بھی اس مرض کے متعلق لکھا ہے کہ یعرض للبطالین۔ پس خوب سمجھ لو کہ امرد کو لذت کے لئے دیکھنا اور اس کی آواز کا لذت کے لئے سننا اور اس کے

تصور سے مزہ لینا یہ سب لواطت میں داخل ہے۔اور باعد عن الحق ہے اللھم احفظنا پس جو مصیبت آوے اس کو کسی گناہ کا ثمرہ سمجھا کرو۔اور جب کسی کو گناہ میں دیکھو تو اس سے عبرت حاصل کیا کرو۔ (الرفیق ص ۸۲)

انسان کی مصیبت کا راز

دنیا میں ایسا تو کوئی انسان نہیں ہے جس کو کوئی حادثہ نہ پیش آئے اور کوئی بات اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو انسان تحت القدرۃ ہے مستقل نہیں ہے اگرچہ ہر امر میں انسان کی ایک مستقل تجویز بھی ضرور ہوتی ہے جسے اس کا ذہن اختراع کرلیتا ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہر امر اس کی خواہش کے موافق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے کہ ام للانسان ما تمنی یعنی انسان کو اس کی ہر تمنا نہیں ملتی تمنائیں انسان کی بہت کچھ ہوتی ہیں مگر ملتی کم ہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور وہی انسان کے لئے بہتر ہوتا ہے اگرچہ اول نظر میں اس کی بہتری انسان کو محسوس نہ ہو لیکن اس کے نتیجے پر اگر غور کیا جائے تو اس کی حکمت معلوم ہو جاتی ہے اور اول نظر میں چونکہ حکمت پر نظر نہیں ہوتی اس لئے خلاف تمنا کو مصیبت کہتے ہیں۔

مصیبت کی حقیقت

اگر حکمت اور مصلحت پر نظر ہو تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں بلکہ ہر مصیبت نعمت ہے مگر مراد مصیبت غیر اختیاریہ ہے اور اسی میں گفتگو ہو رہی ہے برخلاف ان کے جن کو اپنے ہاتھوں اختیار کرتے ہیں یعنی گناہ کہ انسان اس کو اپنے اختیار سے کرتا ہے سو اس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ اس کو گناہ اور معصیت قرار دیا گیا ہے اور اس سے روکا گیا ہے اور یہی فرق ہے درمیان فعل

عبد اور فعل حق کے کہ کوئی فعل شر کا اللہ تعالیٰ سے صادر نہیں ہوتا فعل شر وہی ہے جو بندہ اپنے اختیار سے خلاف رضائے حق کرتا ہے تو امور اختیاریہ عبد تو خیر و شر دونوں ہیں اور غیر اختیاری جو محض منجانب اللہ ہے وہ خیر محض ہے اس لئے عارفین نے اپنے متعلقین کو یہ تعلیم کی ہے اور اس سے انہیں ایک استواری پیدا ہوگئی ہے کہ جس سے وہ پریشان نہیں ہوتے۔

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست
در صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

تو جو پیش آئے اس کو خیر سمجھے خواہ وہ بیماری ہو یا دشمن کا اپنے اوپر غالب آنا ہو یا فقر و فاقہ ہو یا اور کوئی مصیبت ہو غرضیکہ سب میں بہتری ہے مگر یہ بہتری ایسی ہے کہ جیسے دوا کی بہتری کہ شفیق ماں باپ تو جانتے ہیں کہ حلق سے اترتے ہی تریاق کا کام دیگی۔ لیکن بچہ نہیں سمجھتا بلکہ ماں باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے کہ انہوں نے ایسی دوا پلادی یا جیسے دنبل میں نشتر دینا کہ ماں باپ خوش ہیں مگر بچہ ان کو دشمن سمجھتا ہے نشتر زن ماں باپ سے انعام طلب کرتا ہے اور بچہ تعجب کرتا ہے لیکن ہر عاقل جانتا ہے کہ واقع میں یہ کام انعام کا ہے تو بچہ کے علم کو جو تفاوت ماں باپ کے علم سے ہے اس سے بہت زیادہ تفاوت بندہ اور خدا کے علم میں ہے تو خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ جس حادثہ کو بندہ مصیبت سمجھ رہا ہے اس میں کیا کیا حکمتیں مخفی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عسى ان تكرهوا شيأ وهو خير لكم اس پر جس کی نظر ہوگی وہ ہرگز اس کو مصیبت نہ سمجھے گا جس طرح جراح نے نشتر لگا کر مصیبت میں نہیں پھنسایا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو بندے کے ساتھ کرتے ہیں سب بہتر ہی ہوتا ہے مگر بندہ اس کی حکمت کو سمجھتا نہیں حالانکہ اگر ذرا غور کرے تو بعض حکمتیں معلوم بھی ہو سکتی ہیں۔

مصیبت کے فوائد اور خاصیتیں

مصیبت میں یہ خاصیت ہے کہ اخلاق درست ہو جاتے ہیں' انسان اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے' توبہ نصیب ہو جاتی ہے' تنبہ ہوتا ہے کہ فلاں امر کی وجہ سے یہ ہوا تو یہ کھلے فائدے نظر آتے ہیں مگر بعض لوگ اس کو یاد نہیں رکھتے پس اسی معنی کر مصیبت نہ کہی جائیگی مگر ظاہر نظر میں وہ مصیبت ہے کیونکہ حقیقت لغویہ مصیبت کی یہ ہے کہ کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے اور چونکہ زندگی میں زیادہ واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں اس لئے کوئی بھی مصیبت سے خالی نہیں ہے۔ کوئی مال کی طرف سے پریشان ہے' کوئی صحت کی طرف سے پریشان ہے' کوئی اولاد کی طرف سے پریشان ہے۔ غرض ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مصیبت لاحق ہے۔ اگرچہ ہرایک پر اثر الگ الگ ہوتا ہے اور ایک سرسری اثر ایسا بھی ہے کہ کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں اگرچہ برائے چندے ہی ہو اور وہ اثر تنبہ ہے اپنی بدعملی پر اور اپنے ضعف وعجز پر بڑا ظالم ہے وہ شخص کہ اس پر کوئی مصیبت آئے اور وہ اس پر متنبہ نہ ہو بلکہ کہنا چاہئے کہ وہ انسان ہی نہیں اور جو انسان ہو گا وہ ضرور اس طرح متاثر ہو گا۔ اور یہ تاثر بہت بڑی نعمت ہے۔

تکبر قبول حق سے بڑا مانع ہے

قبول حق اور رجوع عن الباطل سے بڑا سد راہ یہ ہے کہ انسان اپنے کو سب سے بڑا سمجھے۔ اسی وجہ سے یہودی حضور ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے اگرچہ جانتے تھے کہ آپ پیغمبر برحق ہیں اللہ کے نبی ہیں بلکہ حضور کے تشریف لانے کے پیشتر ہی وہ حضور کو جانتے تھے حتیٰ کہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہم تمہاری خبر لینگے جب وہ رسول تشریف لے آئیں گے۔ ﴿فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ﴾ لیکن جب آپ تشریف لائے۔ تو آپ کے اتباع میں

اپنے جاہ کا نقصان ہوتے دیکھ کر آپ کے ساتھ کفر کیا۔ سمجھے کہ آج تو ہم احبار کہلاتے ہیں مقتدا شمار ہوتے ہیں اگر ایمان لے آئیں گے تو چھوٹے ہو جائیں گے اسی طرح روساء مکہ یہ کہتے تھے ﴿لو لا انزل هذا القرآن علي رجل من القريتين عظيم﴾ کہ اگر یہ کلام اللہ کا کلام ہوتا تو کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہیں ہوا ایک یتیم پر کیوں نازل ہوا پھر یہ کہ آپ کے پاس تمول بھی نہ تھا اس لئے روساء کہتے تھے کہ کسی رئیس پر کیوں نازل نہ ہوا تو ان کو قبول حق سے یہی مانع تھا اور اس کی بڑی مذمت آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رائی کے برابر بڑائی بھی جس کے قلب میں ہوگی وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اور اس مرض سے بہت کم لوگ خالی ہیں کم وبیش سب میں ہوتا ہے اور اس نے شیطان کو جس نے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کی تھی ایک پل میں مردود بنا دیا اور اسی راز کی وجہ سے حکماء امت نے کہا ہے کہ صرف وظیفوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب تک کسی کامل کی صحبت نہ ہو کہ وہ اس کے تکبر کا علاج کرے ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ محض کتابیں دیکھ کر کچھ کرتے ہیں ان کے اخلاق درست نہیں ہوتے غرضیکہ شیطان نے تکبر ہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اور اس کے سبب ملعون ہوا۔

کوئی ایسا مسلمان نہیں جس پر مصیبت کا اثر نہ ہو۔ لیکن فرق یہ ہے کہ بعض لوگ تو یاد رکھتے ہیں۔ اور اکثر بھول جاتے ہیں اور بھول جانے کے یہ معنی نہیں کہ انکو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے مگر برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے جس سے دوسرا ناواقف یہ اخذ کر سکتا ہے۔

اور اس مرض کے کئی درجے ہیں بعض کو تو مصیبت آتے وقت بھی پوری طرح تنبہ نہیں ہوتا۔ سخت تعجب اس شخص پر ہے جو کہ مصیبت آنے پر یہ کہتا ہے کہ معلوم نہیں ہم سے کیا گناہ ہوا ہے جس کی پاداش بھگت رہے ہیں صاحبو کونسا وقت ہے کہ ہم اس میں گناہ نہیں کرتے ہم تو ہر وقت ہی گناہ میں

مبتلا ہیں پھر اس سوال کے کیا معنی اور بعض کو دوسرے طرز کی غفلتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہم میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ کہ ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ ہم نے کچھ کیا ہے جس سے مصیبت آئی۔ دوسرے وہ کہ ان کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ کیا ہے مگر پھر بھی تدارک نہیں کرتے استغفار نہیں کرتے بلکہ بعضے تو اور زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں۔

حکایت: حضور ﷺ نے ایک کافر سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں چھ زمین میں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت کا خدا کونسا ہے؟ اس نے کہا کہ آسمان والا تو مشرکین عرب مصیبت کے وقت ایک خدا ہی کو پکارتے تھے۔ مگر ہندوستان میں مصیبت کے وقت بھی دوسروں کو ہی پکارتے ہیں۔

تیسری قسم وہ ہے کہ گناہ کو یاد کرکے تدارک بھی کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت اللہ ہی کی طرف رجوع بھی ہوتے ہیں لیکن وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

اہل کاراں بوقت معزولی　　شبلی وقت وبا یزید شوند
باز چوں می رسند بر سرکار　　شمر ذی الجوشن ویزید شوند

(الرفیق ص ۸۷)

یعنی جب تک مصیبت رہی اللہ بھی یاد رہے رسول بھی یاد رہے اور جب مصیبت ٹلی تو ایسے آزاد کہ گویا اللہ تعالیٰ کی حدود حکومت ہی سے نکل گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ ﴿اذا مس الانسان الضر دعانا﴾ اور اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ ﴿کذلك زین للمسرفین ما کانوا یعملون﴾ یعنی وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ حدود سے باہر ہوگئے ہیں اور یہ خاصیت ہے کہ نیک عمل میں بصیرت ٹھیک رہتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو بینش جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان کو اعمال خوش معلوم ہوتے ہیں پس علت اس کی اسراف ہے کہ اس کی وجہ

سے بری باتیں مزین معلوم ہونے لگتی ہیں۔صاحبو! آخر کس بات نے تم کو اس قدر بے فکر کر دیا ہے کہ جو تم کو کسی حادثہ سے بھی تنبہ نہیں ہوتا حق تعالیٰ کو تو ہر جگہ ہر طرح کی قدرت ہے اس سے بچ کر آخر کہاں جاؤ گے پھر معاصی پر کس طرح دلیر ہو۔ مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

حکایت : کہ ایک ملاح سے ایک شخص نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے؟ اس نے کہا کہ دریا میں ڈوب کر کہنے لگا اور دادا۔کہا کہ دریا میں کہنے لگا کہ پھر بھی تم دریا میں رہتے ہو ڈرتے نہیں ملاح نے کہا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہنے لگا کہ گھر میں پوچھا کہ دادا؟ کہنے لگا کہ گھر میں؟ ملاح نے کہا کہ پھر بھی تم گھر میں رہتے ہو ڈرتے نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی قدرت تو ہر جگہ موجود ہے اس کے قہر سے تو کسی جگہ اور کسی وقت مامون نہیں ہوسکتے تو جو شخص کہ اللہ سے ایک وقت میں ڈرے اور دوسرے وقت نہ ڈرے وہ کس قدر نادان ہے دوسرے اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ خاص اس مصیبت ہی کے وقت میں زیادہ خطرہ ہے تو یہ بھی تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اسی مصیبت میں مبتلا کر دیں اور اس طرح مسلط فرمائیں کہ وہ ہلاک ہی کر دے اسی کو فرماتے ہیں کہ ﴿ام امنتم ان یعید کم فیه تارة اخري﴾ صاحبو! اپنے کو کسی وقت اللہ تعالیٰ کے قبضہ سے نکلا ہوا مت سمجھو اور سب گناہوں کو ترک کر دو دیکھو گناہ میں مصیبت اس لئے آتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور یہ بات سارے گناہوں کو عام ہے ۔اگرچہ وہ کسی قسم کے گناہ ہوں تو جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اور ہر قصہ ان کے قبضہ میں ہوا تو ممکن ہے کہ پھر کسی قصہ میں مبتلا کر دیں دیکھو اللہ تعالیٰ کو جب منظور ہوا تو نمرود کو ایک مچھر سے پریشان کر دیا۔

حکایت :اہل سیر نے لکھا ہے کہ نمرود کی یہ حالت تھی کہ جب سر پر چوٹ لگتی

تھی تو چین آتا تھا۔ دیکھو کہاں نمرود اور کہاں مچھر مگر اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ ہمارا ایک معمولی سپاہی بھی کافی ہے اور بچانیوالا سوائے اللہ کے اور کون ہے اور اگر وہ نہ بچاوے تو ادنیٰ ذرہ ہی پریشان کرنے کو کافی ہے۔

حکایت: ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کی ناک پر بار بار ایک مکھی آکر بیٹھتی تھی اسنے تنگ آکر کہا کہ معلوم نہیں مکھی کو کیوں پیدا کیا ہو گا وزیر نے کہا کہ اس واسطے پیدا کیا ہے کہ متکبرین کا تکبر ٹوٹے حاصل یہ ہے کہ ذرا سنبھل کر خدا تعالیٰ کی مخالفت کیا کرو تم میں تو ایک مکھی کی مقاومت کی تاب بھی نہیں بس اگر بچنے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

افلاطون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر آسمان قوس ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیرانداز ہوں تو بچ کر کہاں جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرانداز سے قریب ہو جائے۔ کہ تیر دور والے پر چلاتے ہیں افلاطون نے کہا کہ بیشک آپ نبی ہیں کیونکہ یہ جواب سوائے نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے ان لشکروں سے بچنا چاہو تو خدا کا قرب حاصل کرو اور فوراً توبہ کرو اور اس توبہ پر قائم رہو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہونگے اور سب مصائب کو زائل فرماویں گے۔ (الرفیق ص ۸۸)

ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے

کیونکہ یہ کارخانہ ظاہری وابستہ ہے کارخانہ باطن کے ساتھ اول حکم وہاں سرزد ہوتا ہے پھر اس کے موافق یہاں ہوتا ہے۔

حکایت: شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ شہر کا انتظام بہت سست تھا۔ ایک شخص نے شاہ صاحب سے وجہ پوچھی فرمایا کہ آج کل

یہاں کے صاحب خدمت ست ہیں پوچھا کہ کون ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک کنجڑہ بازار میں خربوزہ فروخت کررہا ہے وہ آج کل صاحب خدمت ہے یہ اس کے امتحان کیلئے گئے۔اور امتحان اس طرح کیا کہ خربوزہ کاٹ کاٹ اور چکھ چکھ سب ناپسند کرکے ٹوکرے میں رکھ دیئے وہ کچھ نہیں بولے چند روز کے بعد دیکھا کہ انتظام بالکل درست ہوگیا اسی شخص نے پھر پوچھا کہ آج کل کون ہیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک سقہ ہے چاندنی چوک میں پانی پلاتا ہے مگر ایک پیاس کی ایک چھدام لیتا ہے۔یہ ایک چھدام لے گئے۔اوران سے پانی مانگا انہوں نے پانی دیا اس شخص نے پانی گرادیا کہ اس میں تو تنکا ہے اور دوسرا کٹورہ مانگا انہوں نے پوچھا کہ اور چھدام ہے اس نے کہا کہ نہیں انہوں نے ایک دہول رسید کیا اور کہا کہ خربوزہ والا سمجھا ہوگا۔اس شخص نے آکر بیان کیا کہ یہ واقعہ ہوا۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھ لو آجکل یہ ہیں کہ سب کو بچا رکھا ہے۔تو سمجھ لو کہ ظاہری انتظام باطنی انتظام کے تابع ہے۔پھر اس باطن کا ایک باطن ہے کہ وہ حکم حق ہے جس کے صدور میں طاعت و معصیت کو بھی دخل عظیم ہے۔یعنی جب اللہ کو ناراض کروگے تو اول محکمہ باطن میں حکم نازل ہوگا پھر اس کے تابع ظاہر ہوگا اور مصائب نازل ہونگیں۔لہٰذا ان کی اصل تدبیر یہ ہے کہ اللہ کو راضی کرلو پھر کوئی مصیبت نہ آوے گی۔(الرفیق ص ۸۹)

مغیض فی اللہ

جو لوگ عاصی مومن ہیں۔ان کو بھی ذلیل نہ سمجھو۔البتہ اگر اللہ کیلئے ان پر ان کے سوء اعمال کے سبب غصہ کرو تو جائز ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی ہمدردی اور ترحم ہونا بھی ضروری ہے نفسانی غیظ اور کبر نہ ہو۔اور ان میں فرق کیلئے میں ایک موٹی سی مثال بیان کرتا ہوں جس کو میرے ایک دوست نے بہت پسند کیا اور ان ہی کی پسند سے مجھے بھی اس کی بہت قدر ہوئی یعنی معمولی قصوں

میں غصہ دو موقعوں پر آتا ہے۔ایک تو اجنبی پر اور ایک اپنے بیٹے پر۔ سو اجنبی سے تو اس کی شرارت پر نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے۔اور اگر اپنا بیٹا وہی حرکت کرے تو اس سے نفرت نہیں ہوتی بلکہ شفقت کیساتھ تاسف ہوتا ہے۔اس کیلئے دعا کرتا ہے۔دوسروں سے دعا کراتا ہے۔اس کی حالت پر دل کڑھتا ہے اور غصہ جو ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ شفقت ملی ہوتی ہے۔پس اخوت اسلامیہ کا مقتضایہ ہے کہ اجنبی عاصی کے ساتھ بھی بیٹے کا سا برتاؤ رکھنا چاہئے۔یعنی اگر کبھی اس پر غصہ آجائے اور خیال ہو کہ یہ غصہ خدا کیلئے ہے۔اس میں نفس کی آمیزش نہیں۔ تو اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اگر میرا بیٹا اس حالت میں مبتلا ہوتا تو اس پر مجھے اس قسم کا غصہ آتا یا نہیں۔اگر قلب سے نفی میں جواب آئے تو سمجھے کہ یہ غصہ خدا کے لئے نہیں ہے۔بلکہ ترفع کا غصہ ہے۔اور یہ اس شخص کی معصیت سے بھی بڑھ کر معصیت ہے اور خوف کا مقام ہے۔خدا تعالیٰ کی ایسی شان ہے کہ اگر ایک گنہگار اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔اور اگر ایک مطیع اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ مقہور ہو جاتا ہے۔سو نہ تو اللہ پر ناز کرنا چاہئے۔اور نہ نا امید ہونا چاہئے۔ غرض تحقیر تو کسی مسلمان کی کرے نہیں۔ لیکن غیظ و غضب جس کا منشا بغض فی اللہ اور رحم و ہمدردی ہو اس کا مضائقہ نہیں۔باقی کبر و عجب تو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔(فضل العلم والعمل ص ۴۴ 'اشرف المسائل ص ۱۱۲)' (اشرف العلوم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ)

بعض لوگ عوام کے اعتقاد سے مغرور ہو کر گناہوں سے اور بھی بے فکر ہو جاتے ہیں

بعض ایسے بھی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے معتقد ہیں ایسے لوگ اور بھی زیادہ تباہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اپنے تقدس کی گویا دلیل بھی موجود ہوتی ہے کہ جب اتنے لوگ ہم کو اچھا کہتے ہیں تو یقیناً ہم اچھے ہوں گے۔

گناہ پر فوری مواخذہ نہ ہونے سے بے فکر نہ ہو

یہ کچھ ضروری نہیں کہ اگر گناہ آج کیا ہو تو آج ہی مواخذہ بھی ہو دیکھئے اگر کوئی شخص کچی مٹھائی کھالے تو عادۃً پھوڑے پھنسیاں نکلتی ہیں لیکن یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس روز کھایا ہے اسی روز نکلنے لگیں۔فرعون نے چار سو برس تک خدائی کا دعویٰ کیا لیکن کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا اور پکڑا گیا تو اس طرح کہ ہلاک ہی کر دیا گیا۔اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر کام حکمت سے ہوتا ہے کبھی ہاتھ درہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی مدت کے بعد گرفتاری ہوتی ہے۔علیٰ ہذا نیکیوں میں بھی کبھی ہاتھ درہاتھ جزا دیدی جاتی ہے کبھی توقف ہوتا ہے۔چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی۔اور وہ قبول بھی ہوگئی۔ چنانچہ ارشاد ہوا ﴿قد اجیبت دعوتکما﴾ لیکن باوجود دعا کے قبول ہوجانے کے اسی وقت اس پر اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿فاستقیما ولا تتبعآن سبیل الذین لا یعلمون﴾ کہ تم دونوں ترتب اثر میں جلدی نہ کرنا کہ یہ نادانوں کا طریقہ ہے بلکہ استقامت اور استقلال سے کام لینا حتیٰ کہ چالیس برس تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتظار کیا اور اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم ہلاک ہوئی ان دونوں واقعوں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ نہ کسی جرم پر فوراً اثر مرتب ہونا ضروری ہے نہ نیکی پر چنانچہ فرعون کو چار سو برس مہلت دی گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس سال تک منتظر رکھا گیا اور جب یہ ہے تو اگر کبھی جرم کی فوراً سزا نہ ملی تو اس کی نسبت یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس جرم سے اللہ تعالیٰ ناخوش نہیں ہوئے یا یہ جرم قابل سزا و گرفت نہ تھا یا ہم کو معاف کر دیا گیا۔(الرفیق حصہ اول ص ۵۱)

لوگ اس غلطی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہمیشہ نئے گناہ کو دیکھا کرتے ہیں اور جب کوئی نیا گناہ نظر نہیں آتا

تو اپنی مصیبت پر تعجب کرتے ہیں اور گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کر کے یہ کہتے ہیں کہ کر تو ڈر نہ کر تو ڈر۔ صاحبو کسی مسلمان کے منہ سے اس جملہ کا نکلنا سخت حیرت ہے کیا کسی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی سلطنت اودھ کے نوابوں کی سلطنت ہے جس میں کوئی ضابطہ ہی نہیں جب جس طرح جی چاہا کر لیا۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا مقصود یہ ہے کہ دنیا کے خطرات کو تو یہاں تک مہتم بالشان بنایا کہ کچھ نہ کر کے بھی ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارے میں اس قدر غفلت ایسی بے پروائی کہ آئے دن سینکڑوں خرافات میں مبتلا ہیں ہزاروں گناہ کے بار میں دبے جاتے ہیں لیکن ذرا بھی پرواہ نہیں کیا یہ مرض نہیں ہے اور اگر ہے تو کیا اس کی تدبیر ضروری نہیں ہے۔ صاحبو یہ یاد رہے کہ جس قدر اس کی جانب سے غفلت ہوگی تدبیر دشوار ہوتی جائے گی۔ اور صاحبو ہماری وہ حالت ہے کہ ؎ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

رفع اشکال بر حدیث و اجعلني في اعين الناس كبيرا

حال: حضرت مولانا مرشدنا دامت برکاتکم۔ السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ گذارش یہ ہے کہ

(اجعلني في عيني صغيرا وفي اعين الناس كبيرا) یہ دعا مناجات مقبول میں ہے بوقت تلاوت (وفي اعين الناس كبيرا) کو خالی الذہن ہو کر پڑھتا تھا اور یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ حالت تو ایسی ابتر اور لوگوں کی نظر میں بڑا معلوم ہونے کی حضرت حق سے دعا کروں کل یہ خیال پیدا ہوا جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے تو اس میں مصالح و حکم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو یہ ہی دعا پسند ہوگی (اگر طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازیں) دنیا میں بھی کوئی مالک شفیق یہ نہیں چاہتا کہ میرا غلام لوگوں کی نظر

میں ذلیل وخوار رہے اب یہ جی چاہتا ہے کہ اس دعا کو مع ملاحظہ معنی کے پڑھا کروں کیونکہ ایسی دعا میں نفس کو بھی لذت آتی ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں بڑا بننا چاہتا ہے اور کمترین میں ایسی استعداد نہیں کہ امتیاز کر سکے کہ یہ خطرہ رحمانی ہے یا نفسانی لہٰذا حضور والا میں عرض کرتا ہوں۔ حسب معمول پڑھا کروں یا معنی کا بھی تصور کیا کروں کمترین کا طبعی مذاق یہی ہے کہ گمنام رہوں کوئی امتیازی حالت نہ ہو۔

تحقیق : نہایت مبارک مذاق ہے اور اس دعا کی حقیقت اس مذاق کے خلاف نہیں اور اس حقیقت کا سمجھنا موقوف ہے حکمت جاہ کے سمجھنے پر اور وہ یہ ہے کہ جاہ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے دفع مفسدہ کا اور وہ مفسدہ اذیت خلق ہے اس کا دافع جاہ ہے کہ وہ مانع ہوتا ہے ظالموں کی دست درازی سے پس اصل مقصود یہ ہے کہ اذیت عوام وحکام سے محفوظ رہے تاکہ بلا تشویش مشغول طاعت رہ سکے پس اس معنی کے تصور سے دعا کرنا نہ خلاف مذاق ہوگا نہ نفس کو اس میں بڑے بننے کی لذت ہوگی۔

اجتماع تواضع وبغض فی اللہ

(بصائر ص ۲۵۶، ۲۵۷)

سوال : فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تواضع کی حقیقت میں۔ھو ان لا یلقي العبد احدًا من الناس الا رای لہ الفضل علیہ اور آگے فرماتے ہیں خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔سو اولاً تو یہ عرض ہے کہ بندہ نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی۔سو نہایت ادب کے ساتھ استدعا ہے کہ حضور بندہ کے واسطے دعاء فرماویں اور کوئی آسان تدبیر ایسی تحریر فرماویں جس سے بہ سہولت یہ صفت حاصل ہو جاوے

اور کبر و عجب کا نام نہ رہے۔ ثانیاً یہ گذارش ہے کہ تواضع کا مقتضاء تو یہ ہے کہ ہرایک کو بہتر سمجھا جاوے اور اس کے ساتھ نرمی کی جائے اور بغض فی اللہ کا مقتضایہ ہے کہ عاصی کو برا سمجھا جائے اور اس پر سختی اور خفگی کی جائے سو دونوں کیسے جمع ہوں۔

جواب: اچھا برا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہراً یہ شخص ہم سے کمتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو یا مال میں یہ ہم سے اچھا ہو۔ پس اس کا یہ اثر ہوگا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا اور دفع کبر کیلئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمالاً کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی والفت کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مال میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو بالفعل اس کی کوئی ایسی حالت ہو کہ اس پر نظر کر کے شریعت سے ہم اس کو مبغوض رکھنے کے مامور ہوں تو ان دونوں میں کیا تنافی ہوئی اور اس احتمال کا استحضار عجب و کبر کو دفع کرے گا۔ (تربیۃ حصہ ہفتم ص ۱۰)

بد نگاہی کے مرض میں بعض پیر بھی مبتلا ہیں اور عورتوں کو پیر سے پردہ کرنیکی ضرورت

اور افسوس ہے کہ بعضے پیر بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ یہ تو بجائے باپ کے بلکہ باپ سے بھی زیادہ ہیں اور بے حیا بے محابا سامنے آتی ہیں اور بڑے بے حیا وہ دیوس مرد ہیں جو ایسے پیروں کے سامنے اپنی بیٹیوں بہوؤں کو آنے دیں۔ بعض جگہ تو ایسا سنا گیا ہے کہ مریدنیاں تنہا مکان میں جاتی ہیں اور وہاں مرید ہوتی ہیں نعوذ باللہ جناب رسول مقبول ﷺ سے زیادہ کون ہوگا حضور سے عورتیں پردہ کرتیں تھیں۔ ساری امت کی عورتیں آپ کی روحانی بیٹیاں اور حضور خود معصوم کسی قسم کے وسوسہ کا

بھی شائبہ نہیں لیکن باوجود اس کے پردہ کا حکم تھا اور ازواج مطہرات تمام امت کے مردوں، عورتوں کی مائیں تھیں چنانچہ ارشاد ہے و از و اجه امها تهم اور کسی کو ان کی نسبت توبہ توبہ وسوسہ تک بھی شرکا نہ تھا لیکن باوجود اس کے ارشاد ہے۔ وقرن في بيوتكن یعنی اپنے گھروں میں جمی رہو باہر نہ نکلو اور فرماتے ہیں ﴿ولا تخضعن بالقول فيطمع الذي في قلبه مرض﴾ یعنی نرم بات مت کرو کہ جس کے قلب میں روگ ہے وہ طمع کرے گا۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۴۴)

عورتوں کے لئے اغیار کے ساتھ بد خلقی (یعنی خشک مزاجی) صفت حمیدہ ہے

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جیسے مردوں کے لئے خوش اخلاقی صفت حمیدہ ہے عورتوں میں بداخلاقی صفت حمیدہ ہے۔ یعنی غیر مردوں سے نرمی اور میٹھی میٹھی باتیں نہ کریں اور نہ تند مزاجی سے بلکہ ایسے انداز سے بات کریں کہ اس کو مضمون مفہوم ہو جائے اور کسی قسم کی طمع اس کے قلب میں نہ آوے نہایت خشکی وصفائی سے بات کریں البتہ اپنے خاوند اور دوسری عورتوں کے ساتھ خوش اخلاقی برتیں۔ اللہ اکبر! یہ خاندان نبوت کا انتظام ہے آج کون ہے وہ شخص کہ ان سے زیادہ اپنے سے مقبول کہے بلکہ یہ وقت چونکہ فتنہ کا ہے اس لئے نہایت سخت انتظام کی ضرورت ہے۔

پردہ کے متعلق عورتوں اور مردوں کی بے احتیاطیاں اور زینت کے متعلق عورتوں کا بے محل برتاؤ

بعض عورتیں ایسی بے حیا ہوتی ہیں کہ وہ خود مردوں کو دیکھتی ہیں یا پردہ وغیرہ اٹھا دیتی ہیں کہ دوسرا مردان کو دیکھ لیتا ہے۔ اور یہ احتیاط نہیں کرتیں

حدیث میں لعن اللہ الناظر و المنظور الیہ اس کے متعلق جو یوں عورتوں سے کہا جاتا ہے نصیحت کی جاتی ہے تو کہتی ہیں اٹھ ایک دفعہ دیکھ کر پھر کیا دیکھے گا ساری عمر ترسے گا۔ جو بڑی پردہ نشین کہلاتی ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ خاوند کے سامنے تو تمام زیب و زینت ختم کر کے بھنگن ہی بنی رہیں گی اور اگر کہیں جائینگی تو بیگم بن کر جائینگی سخت بے حیائی کی بات ہے کہ خاوند جس کے لئے زیب و زینت کا حکم ہے اس کے سامنے تو زیب و زینت نہ کی جائے اور دوسروں کے دیکھنے کے لئے کی جاوے چاہئے تو یہ کہ اس کا برعکس ہو بعض عورتیں دولہا، دولہن اور بارات کو دیکھتی ہیں ان کے مرد بھی کچھ نہیں کہتے اسی طرح دوسری بے احتیاطی قابل نظر ہے وہ یہ کہ بعض مرد بڑے بے احتیاط ہوتے ہیں کہ گھر میں پکار کر نہیں جاتے ذرا کھنکارا اور فوراً اندر گھس گئے اور اکثر عورتیں بھی ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی سے اترنے سے پہلے تحقیق نہیں کرتیں کہ کوئی مرد تو اندر نہیں ہے میں ایک دفعہ بیمار تھا بہت عورتیں ڈولی سے عیادت کے لئے آئیں بلا تحقیق اندر آگئیں میں نے ان کو خوب برا بھلا کہا اور جب عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں اس وقت اور زیادہ بے حیائی ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات بے کہے اس گھر کے مرد دروازے میں آ کر سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اندر کسی نے منہ پھیر لیا کسی نے آنچل سے منہ ڈھک لیا کوئی کسی کے پیچھے ہوگئی اور طرفہ یہ کہ ہر ایک یہ جانتی ہے کہ مجھ کو نہیں دیکھا حالانکہ اس نے سب کو دیکھ لیا۔

(الرفیق حصہ دوم ص ۱۴۶)

مرد چاہے کیسا ہی بزرگ ، در کتنا ہی بوڑھا ہو جاوے عورتوں کو اس سے پردہ واجب ہے

ایک بزرگ تھے وہ اس میں احتیاط نہ کرتے تھے اس لئے کہ بوڑھے بہت تھے غیر اولی الاربہ میں داخل ہوگئے تھے اس لئے ان کو عورتوں سے زیادہ اجتناب

نہ تھا۔ایک دوسرے بزرگ نے ان کو نصیحت کی انہوں نے نہ مانا ان بے احتیاط بزرگ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا یہ مسئلہ پوچھا فرمایا کہ اگر مرد جنید ہو اور عورت رابعہ بصریہ ہو اور وہ دونوں ایک تنہا ہوں تو ثالث ان کا شیطان ہو گا اور آدمی خواہ کسی قدر بوڑھا ہو جاوے لیکن مادہ تو اس کے اندر باقی رہتا ہی ہے وہ فرشتہ تو ہے نہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ کچھ نہ کر سکے لیکن نظر سے تو محفوظ نہیں رہ سکتا اور کیسے محفوظ رہ سکتا ہے مرد کے اندر تو عورت کی طرف میلان خلقۃً پیدا کیا ہے کوئی اس فطری جوش کو کیسے روک سکتا ہے۔

دوسروں کی حالت دیکھ کر عبرت حاصل کرنا چاہئے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لقد کان في قصصهم عبرة لاولي الالباب﴾ کہ امم سابقہ کے قصے اسی واسطے نقل کئے جاتے ہیں کہ لوگ عبرت پکڑیں اور عبرت کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی امر مشترک کی وجہ سے اپنے کو ان پر قیاس کریں کہ فلاں شخص نے ایسا کیا تھا اس کو یہ نتیجہ ملا تو ہم کو بھی یہی نتیجہ ملے گا۔یہ حقیقت ہے عبرت کی اب دیکھ لیجئے کہ دوسروں کی مصائب کے قصے سن کر کون شخص سبق حاصل کرتا ہے۔اکثر لوگ مسلمانوں کی مصیبت کو سنتے ہیں مگر کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔اور فی صدی ننانوے آدمی ایسے نکلیں گے کہ جن کو خاک بھی اثر نہیں ہوتا۔

چو از محنت دیگراں بے غمی نہ شاید کہ نامت نہند آدمی

جب دوسروں کی تکلیف کو سن کر ہمارا دل نہ دکھا تو بے شک ہم اس قابل نہیں کہ آدمی کہلاویں۔(الرفیق حصہ اول ص ۸۷)

توبہ کے بھروسہ پر گناہ کرنا سخت غلطی ہے مع ایک مثال کے

بعضے توبہ کے بھروسے گناہ کرتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ گناہ کی جب عادت ہوجاتی ہے توپھر توبہ بھی مشکل ہوجاتی ہے کیونکہ نئے گناہ سے جن کی ابھی لذت نہیں رچی توبہ کرنا آسان ہے اور عادت والے گناہ سے توبہ بہت مشکل ہے۔ علاوہ اس کے جب چھوٹے گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جاتا ہے تو طبیعت بیباک ہوجاتی ہے اور دل کھل جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ کبیرہ بھی ہونے لگتے ہیں۔ جیسے صاف کپڑے کو بارش میں کیچڑ وغیرہ سے بچایا جاتا ہے اور جب بہت چھینٹیں پڑ جاتی ہیں توپھر دامن کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ کپڑا بالکل خراب ہوجاتا ہے۔ایسا ہی گناہ کا معاملہ ہے کہ جس گناہ کی طبیعت عادی ہوجاتی ہے وہ پرانا ہوجاتا ہے اور چھوٹتا نہیں۔

مثلاً زمینداروں' کاشتکاروں وغیرہ میں یہ گناہ بمنزلہ عادت ہوگئے۔ غصب 'ظلم' بیع باطل 'جیسے آم اور بیر کی بیع متعارف اور یتیموں اور نابالغوں کے مال میں تصرف دیکھ لیجئے یہ گناہ کس طرح سب بے کھٹکے کرتے ہیں۔اور خیال میں بھی نہیں لاتے۔البتہ شراب نہیں پئیں گے۔تو یہ تفاوت اسی عادت ہوجانے سے اصرار واستخفاف بلکہ استحسان کی نوبت آجاتی ہے۔اس لئے توبہ مشکل ہوجاتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو زبانی جیسے کسی نے کہا ہے ؎

سبحہ درکف توبہ برلب دل پراز ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آیدبر استغفار ما

(الرفیق ص ۲۲۲)

چنانچہ ان امور متذکرہ بالا سے توبہ توکیسی اور الٹے ان امور کے ترک کو خلاف ریاست اور ذلت سمجھتے ہیں۔

اور گناہ سے دل برا نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایمان کی نشانی یہ ہے۔ اذا سرتک حسنتک وساء تک سیئتک۔ غرض توبہ ان وجوہ سے مشکل ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بھروسے گناہ کرنا نہایت حماقت ہے مگر بعض نادان پھر بھی دھوکے میں ہیں اور توبہ کے توقع پر گناہوں پر دلیری کرتے ہیں۔

اس شخص کی ایسی مثال ہے کہ اس کے پاس مرہم اور اس کے بھروسے وہ اپنی انگلیاں آگ میں جلا لیتا ہو۔ کیا یہ شخص پورا احمق نہیں ہو گا۔ کیا کسی عاقل نے کبھی ایسا کیا ہے۔ جب اس آگ پر دلیری نہیں کی جاسکتی۔ تو دوزخ کی آگ تو اس آگ سے ستر حصہ زیادہ تیز ہے۔ بلکہ مرہم تو پھر بھی من کل الوجوہ اختیاری ہے اور توبہ گو بظاہر اختیاری ہے مگر مرہم کی طرح من کل الوجوہ اختیاری نہیں کیونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے التوبہ ندم جس کو یوں بھی تعبیر کیا ہے وھو تحرق الحشا علي الخطا و تالم القلب علي الاثم پس توبہ اس سوزش اور جلن کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ تالم مقولہ انفعال سے ہے اور وہ اختیار سے خارج ہے۔

معاصی خواہ کبائر ہوں یا صغائر سب ہی سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اصل حقیقت کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ ہی ہے

ہر گناہ گو وہ صغیرہ ہو اپنی حقیقت کے اعتبار سے عظیم ہی ہے۔ کیونکہ حقیقت گناہ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اور ظاہر ہے نافرمانی گو کسی قسم کی ہو زیادہ ہی بری ہے اور گناہوں کے درجات میں جو چھوٹائی بڑائی کا تفاوت ہے وہ ایک امر اضافی ہے کہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا اس سے چھوٹا ورنہ اصل حقیقت کے اعتبار سے سب گناہ بڑے ہی ہیں۔ کسی کو ہلکا نہ سمجھنا چاہئے اس چھوٹے بڑے ہونے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے آسمان دنیا عرش سے تو

چھوٹا ہے مگر درحقیقت کوئی چھوٹی چیز نہیں دوسری مثال ناپاکی اور پلیدی کی ہے کہ پلیدی چاہے تھوڑی ہو یا بہت مگر حقیقت تو دونوں کی پلیدی ہے۔اور راز اس میں یہ ہے کہ جتنی کسی کی عظمت اور احسان ہوتا ہے اتنی ہی اس کی نافرمانی کرنا بری بات ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور احسان کے برابر نہ کسی کی عظمت نہ کسی کا احسان تو اس کی نافرمانی سب سے زیادہ بری ہوگی۔پس وہ اپنی اس حقیقت اور مقتضیٰ کے اعتبار سے عظیم ہی ہوگی۔اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا جاتا۔مگر پھر جو اس پر جرات کرتے ہو تو اس جرات کے چند اسباب ہیں۔بعضے گناہ کو تو صغیرہ سمجھ کر ارتکاب کر لیا جاتا ہے حالانکہ اسی راز کی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ استخفاف گناہ کفر ہے گو چھوٹا ہی ہو۔گناہ کی مثال تو آگ کی سی ہے ایک چنگاری بھی مکان جلانے کے لئے کافی ہے۔اور بڑا انگارہ بھی بس صغیرہ چنگاری ہے اور بڑا انگارہ پس عمل کرنے کے لئے یہ پوچھنا کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ شبہ میں ڈالنا ہے۔کہ اگر کبیرہ ہوگا تو بچیں گے اور اگر صغیرہ ہوا تو خیر ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھدیں اگر یہ ناگوار ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے۔وہ چنگاری گو چھوٹی ہو مگر پھیلتے پھیلتے انگارہ ہی ہو جائیگا۔اسی طرح آدمی اول صغیرہ کرتا ہے اور وہ چھوٹا نہیں۔اس اصرار سے وہ صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔اور زیادہ مدت تک کرتے رہنے سے اس کو ہلکا ہی سمجھنے لگ جاتا ہے۔اور وہ اس جہت سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔(الرفیق حصہ دوم ص ۲۲۱)

بری نظر اور بری نیت کا مرض آجکل عام ہو رہا ہے

﴿یعلم خائنة الاعین وما تخفي الصدور﴾ ترجمہ آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور جس شے کو سینے چھپاتے ہیں اس کو بھی جانتے ہیں یہ ایک آیت ہے جس کے الفاظ تھوڑے ہیں اور معانی

بہت ہیں۔اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک امر قبیح پر مطلع فرمایا ہے اور علاوہ اطلاع کے اس میں زجر بھی ہے اس کو اس وقت اسلئے اختیار کیا ہے کہ جس مرض کا اس میں بیان ہے آج کل اس میں بہت ابتلاء ہے۔(الرقیق حصہ دوم ص ۱۲۸)

معصیت بھی مرض ہے

اور مرض سے یہاں مراد معصیت ہے گو لوگ اس کو مرض نہ سمجھیں کہ تعجب ہو گا کہ اس کو مرض کیوں کہا گیا۔ مرض کی حقیقت ہے اعتدال سے مزاج کا خارج ہو جانا اور معصیت میں بھی قلب کا مزاج اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔

معصیت کا مرض جسمانی سے اشد ہونا اور اس کا بیان کہ موت تمام تکلیفوں سے چھڑا دیتی ہے

بلکہ یہ خروج عن الاعتدال جو قلب کے متعلق ہے زیادہ مضر ہے اسلئے کہ بدنی مرض کا انجام بہت سے بہت یہ ہے کہ مرجاویگا اور مرنے سے بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ بہت سے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا ہے کیونکہ جس قدر آلام ہیں وہ اس بدن اور روح ہی کے تعلق کی وجہ سے ہیں۔

بد نگاہی میں عام ابتلاء اور اسکا علاج

خلاصہ یہ کہ آنکھوں کا گناہ سخت ہے اور اس میں بہت ابتلاء ہو رہا ہے۔ اس کا بہت انتظام کرنا چاہئے اپنا بھی اور اپنے گھر والوں کا بھی اور اسکا علاج سہل یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہئے ادھر ادھر نہ دیکھے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہوا اس نے کہا تھا ﴿لا قعدن لھم صراطك المستقیم. ثم لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم

وعن شمائلهم﴾ یعنی میں ان کے (گمراہ کرنے کے لئے) تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا پھران کے پاس آؤنگا ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے۔ چار سمتیں تو اس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اسلئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھنے میں تو گر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اسلئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں۔ قال اللہ تعالي ﴿وعباد الرحمٰن الذين يمشون علي الارض هونا﴾ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۴۷)

بدنگاہی پر کبھی دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اللهم اني اعوذبك من غضبك کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے۔ کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جاوے۔

حکایت: حضرت جنید چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی سامنے سے آرہا تھا ایک مرید نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالینگے۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا۔ چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ قرآن بھول گیا۔ (نعوذ باللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی دلیل اور سہارا بدنگاہی کے متعلق نہیں۔ بدنگاہی ہر پہلو سے حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں ما تخفي الصدور یعنی جس شے کو سینے میں چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتے ہیں۔ یہ پہلے سے اشد ہے یعنی معصیت صرف نگاہ ہی سے نہیں۔ بلکہ دل سے بھی

ہوتی ہے۔ بہت لوگ دل سے سوچا کرتے ہیں اور عورتوں و مردوں کا تصور کرتے ہیں۔ اور خیال سے مزے لیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم متقی ہیں خوب سمجھ لو کہ تلبیس ابلیس لعین ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ دل کے اندر سوچنے سے اور دل کے اندر باتیں کرنے سے اور زیادہ فتنہ ہوتا ہے۔ کیونکہ نگاہ کرنے میں تو بعض مرتبہ قبیح اور بد صورت ثابت ہوتا ہے۔ اور دل کے اندر باتیں کرنے میں تو طبیعت کا زیادہ لگاؤ ہو جاتا ہے اور قلب سے کسی طرح وہ نہیں نکلتی بلکہ محض نگاہ نہ کرنے سے اپنے کو صاحب مجاہدہ سمجھ کر زیادہ مقرب سمجھتا ہے اور یہ دیکھتا کہ دل میں متمتع ہو رہا ہوں تو مجاہدہ کہاں رہا۔ غرض اس کا انسداد بھی بہت ضروری ہے۔ اور چونکہ قلب کے اندر کانوں کے واسطے بھی باتیں اس قسم کی پہنچتی ہیں۔ اس لئے جس طرح آنکھوں کی حفاظت ضروری ہے۔ کانوں کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ ایسے قصے اور حکایات نہ سنے نہ ایسے مقام پر جاوے جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو۔ بعض مرتبہ خود قلب ہی سے معصیت صادر ہوتی ہے صدور کے وقت آنکھ کان کا واسطہ نہیں ہوتا۔ مثلاً پہلی دیکھی ہوئی صورتیں یاد آتی ہیں اور ان سے التذاذ ہوتا ہے۔ اور معصیت قلب کا معصیت اعین سے اشد ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے۔ وہ یہ کہ قلب سے سوچنے اور آنکھوں سے دیکھنے میں ایک فرق بھی ہے۔ یعنی آنکھوں کے گناہ میں تو نفس فعل کو کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ گو نیت پر مطلع نہ ہو۔ اور دل کے اندر سوچنے کے فعل کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی اطلاع سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اس سے وہی بچے گا۔ جس کے قلب میں تقویٰ ہو۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۵۱)

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجے ہیں قلب کو باوجود تقاضہ کے روکنا۔ تقاضے کو ضعیف کر دینا۔ اور قلع المقتضے یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کر دینا ان میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرف متوجہ نہ ہونے دینا۔ یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ ہو جائے تو تم اسکو روکو۔

اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریہ المنظر' بدشکل' بدصورت' بدہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہ ہو کسی ایسے بدصورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے' چیچک کے داغ ہیں' آنکھوں سے اندھا ہے' سر سے گنجا ہے' رال بہہ رہی ہے' دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں' ناک سے نکلتا ہے' ہونٹ بڑے بڑے ہیں' اور سنک بہہ رہا ہے اور مکھیاں اس پر بیٹھی ہیں۔ گو ایسا شخص دیکھا نہ ہو مگر قوت متخیلہ سے تراش لو۔ کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے۔ آخر اس سے کسی روز کام تو لوگے۔ متخیلہ کا کام تو جوڑ توڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جاسکتا ہے اس کا مراقبہ کرو۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہے گا۔ اور اگر پھر خیال آوے پھر یہی تصور کرو۔ اور اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاویگا وہاں اس کا نازک بدن سڑگل جاویگا کیڑے اس کو کھالیں گے یہ خیال تو فوری علاج ہے۔ اور آئندہ کے لئے تقاضہ پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکراللہ کی کثرت کرو۔ اور دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی کا تصور کرو۔ تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے۔ طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نہ جاوے گا جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۵۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتے ہوئے غیر پر نظر ناممکن ہے

خلاصہ یہ کہ مجھے اس گناہ پر متنبہ کرنا منظور ہے اس لئے کہ اس گناہ کا ابتلاء عام تھا حتیٰ کہ جو نیک کہلاتے ہیں وہ بھی اس میں مبتلا ہیں اللہ کے واسطے اس کا انتظام کرنا چاہئے افسوس منہ سے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور غیر پر نظر

افسوس صد افسوس۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۵۴)

معصیت کے تقاضہ کا نہایت مفید علاج

ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہوا ایسا کرو، کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضا پیدا ہو فوراً ایسا ہی کرو۔ ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اسی طرح بتدریج نکل جاوے گا اس لئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا ذرا سا مزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہروقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسے نہ آویں گے۔

امراض بدنیہ کا انتہائی انجام موت ہے اور موت چونکہ قاطع تمام مصائب کی ہے اس لئے کچھ مضر نہیں۔ مگر پھر بھی امراض بدنیہ کا اس قدر اہتمام ہوتا ہے جس کی کوئی حد نہیں بخلاف مرض روحانی کے جس کی حقیقت ہے حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا اور اعتدال سے خارج ہو جانا کہ اس کا انجام وہ ہلاکت ہے جس کی نسبت فرمایا ہے۔ لایموت فیھا ولا یحییٰ جس کا نام جہنم ہے اگر موت آجاتی تو سب قصے ختم ہو جاتے مگر وہاں موت بھی نہیں پس جس مرض کا انجام صرف ہلاکت بدن ہے اس کو جب قابل اہتمام سمجھتے ہیں تو جس مرض کا نتیجہ ہلاکت ابدی یا مدید وشدید ہے کیا وہ قابل اہتمام نہیں کیا اس کو مرض نہ کہا جاویگا مگر حالت یہ ہے کہ زکام ہو جاوے تو حکیم جی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اور صدہا روحانی امراض میں مبتلا ہیں اور کچھ پرواہ نہیں۔ (الرفیق ص ۱۳۲)

اور یوں تو ہر معصیت قابل اہتمام وفکر ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ معصیت زیادہ قابل فکر ہے جس کو خفیف سمجھا جاوے۔ کسی نے بقراط سے پوچھا تھا کہ امراض میں کونسا زیادہ شدید ہے کہا کہ جس مرض کو خفیف سمجھا جاوے وہ

بہت اشد ہے اسی طرح جس گناہ کو ہلکا سمجھا جاوے وہ بہت شدید ہے اس لئے کہ
وہ لاعلاج ہے۔

منجملہ ایسے امراض کے ایک مرض یعنی گناہ وہ ہے جس کا آیت کریمہ
میں ذکر ہے اور اسی واسطے اس کو اس وقت اختیار کیا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں
یعلم خائنۃ الاعین الخ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو گناہوں
کا ذکر فرمایا ہے آنکھوں کے گناہ کو اور دل کے گناہ کو اور یوں تو آنکھوں کے بہت
سے گناہ ہیں لیکن یہاں ایک خاص گناہ کا ذکر ہے وہ کیا ہے بدنگاہی اسی طرح
دل کے بہت گناہ ہیں لیکن یہاں بقریبہ سیاق خاص گناہ کا ذکر ہے یعنی نیت بری
ہونا ان دونوں گناہوں کو لوگ گناہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ جس
درجہ ان کی مضرت ہے اس قدر نہیں سمجھتے چنانچہ گناہ کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ
دل تو میلا ہو جائے مگر اس گناہ کے بعد دل بھی میلا نہیں ہوتا بہت خفیف سمجھتے ہیں
کسی عورت کو دیکھ لیا کسی لڑکے کو گھور لیا اس کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے کسی اچھے مکان
کو دیکھ لیا یا کسی پھول کو دیکھ لیا۔ (الرقیق ص ۱۳۲)

اور یہ گناہ وہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں بدکاری
سے تو بہت محفوظ ہیں کیونکہ اس کے لئے بڑے اہتمام کرنے پڑتے ہیں اول تو
جس سے ایسا فعل کرے وہ راضی ہو اور روپیہ بھی پاس ہو اور نیز حیا و شرم مانع نہ
ہو غرض اس کے لئے شرائط بہت ہیں اسی طرح موانع بھی بہت ہیں چنانچہ کہیں تو
یہ امر مانع ہوتا ہے کہ اگر کسی کو اطلاع ہو گئی تو کیا ہوگا کسی کو خیال ہوتا ہے کہ کوئی
بیماری نہ لگ جاوے کسی کے پاس روپیہ نہیں ہوتا کسی کو اس کی وضع مانع ہوتی
ہے چونکہ موانع زیادہ ہیں اس لئے کوئی شائستہ آدمی خصوصاً جو دیندار سمجھے جاتے
ہیں اس میں بہت کم مبتلا ہوتے ہیں بخلاف آنکھوں کے گناہ کے کہ اس میں
سامان کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ نہ اس میں ضرورت روپیہ کی اور نہ اس میں
بدنامی کیونکہ اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے کسی کو گھور لیا اور مولوی

صاحب مولوی صاحب رہتے ہیں اور قاری صاحب قاری صاحب رہتے ہیں نہ اس فعل سے ان کی مولویت میں فرق آتا ہے اور نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں دھبہ لگتا ہے اور گناہوں کی خبر تو اوروں کو بھی ہوتی ہے مگر اس کی اطلاع کسی کو نہیں ہوتی معصیت کرتے ہیں اور نیک نام رہتے ہیں لڑکوں کو گھورتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو بچوں سے بڑی محبت ہے جبکہ آنکھوں کے گناہ میں اطلاع نہیں ہوتی تو دل کے گناہ میں تو کیسے ہو سکتی ہے۔

اس لئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں پھر زنا و دیگر معاصی مثل سرقہ وغیرہ میں تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ قوت و طاقت ہو اس میں اس کی بھی ضرورت نہیں اس لئے بوڑھے بھی اس میں مبتلا ہیں۔ دیکھئے بوڑھا اگر عاشق ہو جائے اور قابو بھی چل جاوے تو کچھ بھی نہیں کر سکتا اسلئے کہ وہ قوت ہی نہیں ہے مگر آنکھوں کے سینکنے میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں خواہ لب گور ہی ہو جاویں۔

مجھ سے ایک بوڑھے آدمی ملے اور وہ بہت متقی تھے انہوں نے اپنی حالت بیان کی میں لڑکوں کو بری نظر سے دیکھنے میں مبتلا ہوں ایک اور بوڑھے تھے وہ عورتوں کو گھورنے میں مبتلا تھے۔ اور یہ مرض اول جوان میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ سب گناہوں کی یہی شان ہے کہ اول جوانی میں تقاضے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پھر وہ مرض اور روگ لگ جاتا ہے اور لب گور تک کیا جاتا ہے۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۳۵)

لیکن جوان اور بوڑھے میں فرق یہ ہے کہ جوان آدمی تو معالجہ کے لئے کسی سے کہہ بھی دیتا ہے اور بوڑھا آدمی شرم کی وجہ سے کسی سے کہتا بھی نہیں پس اس کے مخفی رہنے اور خفیف ہونے کی وجہ سے اس میں کثرت سے ابتلا واقع ہے اسی واسطے فرماتے ہیں یعلم خائنة الاعین و ماتخفي الصدور – یعلم کا لفظ دال ہے کہ اور لوگ اس سے واقف نہیں ہیں ہم ہی واقف ہیں مطلب یہ ہے کہ تم

جو یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس گناہ کی کسی کو خبر نہیں یہ صحیح نہیں ایک ایسے کو خبر ہے کہ جس کو خبر ہوجانا غضب ہے اس لئے کہ اس کو تم پر پوری قدرت ہے۔(الرفیق ص ۱۲۶)

اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو ذکر فرماکر اس کی سزا بیان نہیں فرمائی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان کی سزا ساتھ ساتھ بیان فرمادی ہے اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ طبائع ہم لوگوں کی مختلف ہیں۔ بعض طبائع تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سزا ہونا مانع اور زا جر ہوتا ہے۔ وہ تو وہ لوگ ہیں جو بے حیا و بے شرم ہیں کہ جوتوں سے ڈرتے ہیں اور بغیر جوتیوں کے خواہ کسی کو خبر ہوجاوے ان کو کچھ باک نہیں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ سزا کی اگر اطلاع ہوجاوے تو رکاوٹ کم ہوتی ہے لیکن اس سے وہ گڑ جاتے ہیں کہ فلاں کو خبر ہوجاویگی بالخصوص جبکہ یہ معلوم ہوجاوے کہ ہمارا یہ جرم معاف بھی ہوجاویگا تو اور بھی زیادہ عرق عرق ہوجاتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے؂

تصدق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو انشا
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے وہ دمبدم عنایت

اسی بناپر ایک آیت کی تفسیر یاد آگئی وہ یہ کہ غزوہ احد کے قصہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو حضور کے حکم میں کچھ خطا واقع ہوئی تھی وہ یہ کہ جس ناکہ پر حضور نے ثابت اور قائم رہنے کا امر فرمایا تھا بوجہ خطا اجتہادی کے اس پر قائم نہ رہے اس کے بارہ میں ارشاد ہے ﴿اذ تصعدون ولا تلوون علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخریکم فاصابکم غمًا بغمٍّ لکیلا تحزنوا علیٰ ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک غم دیا بہ سبب اس کے کہ ہمارے رسول کو تم نے غم دیا۔ اور غرض اس غم دینے کی یہ فرمائی کہ تم لوگ غمگین نہ ہو تو بظاہر یہ فہم میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ غم تو

اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ حزن ہو نہ اس لئے کہ غم نہ ہو۔اسی واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لازائد ہے مطلب یہی ہے کہ غم اس لئے دیا تاکہ تم کو حزن ہو لیکن الحمدللہ میری سمجھ میں اس کی تفسیر ایسی آئی ہے کہ اس تقدیر پر لازائد ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور معنی بے تکلف درست ہیں وہ یہ کہ حضرات صحابہ ﷺ حق تعالیٰ سے نہایت شرماتے تھے۔جب ان سے یہ خطا واقع ہوئی تو ان کا جی چاہتا ہے کہ ہم کو سزا اس کی دنیا میں ملجائے تو ہماری طبیعت صاف ہوجاوے اور اپنے مالک حقیقی سے سرخرو ہوجائیں اگر سزا نہ ہوتی تو ساری عمر رنجیدہ رہتے۔اور یہ غم ان کے نزدیک نہایت جانکاہ وجان فرسا تھا۔اس بناء پر فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اس خطا کی یہ سزا دیدی تاکہ تم کو غم نہ ہو غرض کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو سزا کا نام سن کر رکتے ہیں اور ایک وہ جو صرف اطلاع کی خبر دینے سے شرماتے ہیں اور اس کام کے قریب نہیں جاتے تو جو بے حیا تھے وہ تو یوں رکے کہ یعلم میں اشارہ سزا کی طرف بھی ہے۔چنانچہ مفسرین ایسے مقام پر فیجازیکم بہ فرماتے ہیں اور دوسرے مذاق والے اس لئے رکے کہ شرم سے گڑ گئے کہ اللہ اکبر وہ جانتے ہیں بہرحال یہ دونوں مذاق والوں کے لئے وعید ہے۔(ص ۷، ۱۲)

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ مرض نہایت اہتمام کے قابل ہے اب ہم کو اپنی حالت دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اندر اس معصیت سے بچنے کا کتنا اہتمام ہے میں دیکھتا ہوں کہ شاید ہزار میں ایک اس سے بچا ہوا ہو ورنہ ابتلائے عام ہے اس کو نہایت درجہ خفیف سمجھتے ہیں جو جوان ہیں ان کو تو اس کا احساس ہوتا ہے اور جن کی قوت شہویہ ضعیف ہوگئی ہے ان کو احساس بھی نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو تو شہوت ہی نہیں اس لئے کچھ حرج نہیں ہے سو ان کو مرض کا بھی پتہ نہیں لگتا اور بعضوں کو اور دھوکہ ہوتا ہے وہ یہ کہ شیطان بہکاتا ہے کہ جیسے کسی پھول، اچھے کپڑے، اچھے مکان، وغیرہ کو دیکھنے کو دل چاہتا ہے

ایسے ہی اچھی صورت دیکھنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ سو یہ بالکل دھوکہ ہے یاد رکھو کہ رغبت کے مختلف انواع ہیں جیسی رغبت پھول کی طرف ہے ویسی انسان کی طرف نہیں اچھے کپڑے کو دیکھ کر کبھی جی نہیں چاہتا کہ اس کو گلے لگالوں' چمٹالوں۔ انسان کی طرف ایسی ہی رغبت ہوتی ہے ایک دھوکہ اور ہوتا ہے وہ یہ کہ بعضے یہ کہتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹے کو دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ گلے لگالوں اسی طرح دوسرے کے بچہ کو دیکھ کر بھی ہمارا یہی جی چاہتا ہے صاحبو کھلی ہوئی بات ہے اپنے سیانے بچہ اور دوسرے کے سیانے لڑکے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے لڑکے کو گلے لگانا چمٹانا اور طرح کا ہے اسمیں شہوت کی آمیزش ہرگز نہیں اور دوسرے کے لڑکے کی طرف اور قسم کا میلان ہے کہ اس میں گلے لگانے سے بھی آگے بڑھنے کا بعض کا جی چاہتا ہے۔ محبوب کی جدائی میں اور طرح کا رنج ہوتا ہے اور اپنے لڑکے کی جدائی میں اور قسم کا۔ (الرتیق ۸ ۱۳)

اور لڑکوں کی رغبت تو اور بھی سم قاتل ہے نصوص میں تو اس کی حرمت ہے ہمارے بزرگوں نے بھی جو اس کے آثار لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سخت بلا ہے ایک بزرگ مطلق نظر کے لئے فرماتے ہیں النظرۃ سھم من سھم ابلیس یعنی نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے حضرت ابوالقاسم قشیری دونوں امر کی نسبت فرماتے ہیں کہ سالک کیلئے امردوں اور عورتوں کی مخالطت رہزن ہے ایک بزرگ کا خاص امردوں کے حق میں قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی بارگاہ سے مردود کرنا چاہتے ہیں اس کو لڑکوں کی محبت میں مبتلا کردیتے ہیں غرض یہ نہایت مضرت کی چیز ہے۔

اور دوسرے معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہوجاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے سیر ہوجاتا ہے' پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ

اس سے سیری نہیں ہوتی اس حیثیت خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے بعضے لوگ اس کو سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ کا قرب ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی قدرت دیکھتے ہیں مگر نرا شیطانی دھوکہ ہوتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملا جامی نے تو عشق مجازی کا امر کیا ہے اور حکایت لکھی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس کوئی طالب گیا تھا انھوں نے کہا کہ عاشق ہو کر آؤ اور آگے لکھتے ہیں۔

متاب از عشق رو گرچہ مجازی است ۔۔۔ کہ آں بہر حقیقت کارسازی است
اگر اول الف با تا نخوانی ۔۔۔ ز قرآں حرف خواندن کے توانی

(الرفیق ص ۱۳۹)

عشق مجازی کی تحصیل پر استدلال کیا جاتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ولے باید کہ در صورت نہ مانی ۔۔۔ وزیں پل زود خود را بگذرانی

مولانا اسی عشق کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

عشق با مرداں نباشد پائدار۔ ۔۔۔ عشق را با حی و با قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگی بود ۔۔۔ عشق نبود عاقبت ننگے بود

آگے فرماتے ہیں۔

غرق عشق شوق غرق است اندریں ۔۔۔ عشقہائے اولیں و آخریں

پھر یہاں پر شبہ ہوتا تھا کہ ہم جیسوں کو عشق حقیقی تک رسائی کہاں ممکن ہے اس کا جواب دیتے ہیں۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست ۔۔۔ با کریماں کارہا دشوار نیست

یعنی ان کو کچھ مشکل نہیں تم کو مشکل نظر آتا ہے تم ذرا اس طرف متوجہ

ہو کر تو دیکھو وہ خود تم کو اپنے قریب کر لینگے وہ دنیا کے محبوبوں کی طرح نہیں ہیں کہ عشاق مرجاتے ہیں وہ نخرے کرتے ہیں غرض اس مسئلے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود نظربازی کریں، مزے اڑائیں اور سمجھیں کہ ہم صوفی ہیں ہم کو سب حلال ہے اور یہ فعل ہمارا قرب کا واسطہ ہے استغفراللہ قرب سے اس کو کیا واسطہ؟ یہ تو بہت بعید کر دینے والا ہے۔

بدنگاہی بہت سخت گناہ ہے

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے " انا غیور و اللہ اغیر مني ومن غیرته حرم الفواحش ماظهر منها وما بطن "اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے پکڑنا، پاؤں سے چلنا، کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھیرایا ہے۔ "العینان تزنیان وزنا هما النظر والاذنان تزنیان وزنا هما الاستماع واللسان یزني وزناه النطق والیدان تزنیان وزناهما البطش "الحدیث۔ یعنی کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور اس کا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت ولڑکے سے شہوۃ کی راہ سے باتیں کرنا) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) پکڑنا ہے۔ اور جب یہ فواحش ہیں اور فواحش پر غیرت حق اوپر معلوم ہو چکی ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ افعال نہایت ناپسند ہیں۔ (الرفیق ص ۱۴۲)

مصیبت کے وقت بجائے استغفار کے خرافات بکنے کی مذمت

مگر ہم لوگ اس سے ایسے بے خبر ہیں کہ کسی مصیبت میں گناہوں کو کبھی یاد ہی نہیں کرتے بلکہ مصیبت میں اکثر یہ مقولہ زبان پر لے آتے ہیں کہ کر تو ڈر

نہ کر تو ڈر مطلب یہ کہ ہم نے توکوئی جرم نہیں کیا مگر اڑنگے میں آگئے۔ سو خوب سمجھ لو کہ یہ ایک جاہلانہ مقولہ ہے کیونکہ نہ کرکے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ورنہ اگر کچھ نہ کرکے بھی ڈرنا ضروری ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ گویا ظالم ہیں خوب یاد رکھو کہ ایسا کہنا سخت توہین کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی۔ صاحبو اللہ تعالیٰ تو کئے پر بھی کم گرفت کرتے ہیں اور بے کئے تو پکڑتے ہی نہیں چنانچہ قرآن شریف منصوص ہے ﴿ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر﴾ یعنی ہمارے کرتوتوں میں بہت سے معاف ہوجاتے ہیں اور ان پر گرفت نہیں ہوتی۔

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چور گرفتار کیا اور قطع ید کا حکم دیا اس چور نے کہا کہ اے امیرالمومنین یہ میرا پہلا قصور ہے مجھے معاف کردیجئے پھر کبھی نہ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اللہ تعالیٰ پہلے جرم میں کبھی کسی کو رسوا نہیں کرتے چنانچہ تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سے قبل بھی دو تین مرتبہ چوری کرچکا ہے۔

حلم حق باتو سواسا ہاکند　　　چونکہ ازحد بگذری رسوا کند

اللہ تعالیٰ کا حلم بہت کچھ مواساۃ کرتا ہے لیکن جب ہم حد سے بالکل ہی نکل جائیں تو آخر غیرت خداوندی ہم کو رسوا کردیتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ گناہوں پر بھی ہم کو بہت کم پکڑتا ہے۔ (الرفیق حصہ اول ص ۴۹)

لیکن چونکہ ہم لوگ اپنے بہت معتقد ہیں اس لئے اپنے معاصی کی ہم کو خبر نہیں ہے۔

گناہوں سے غفلت سخت مرض ہے

اور بعض اوقات تجاہل بھی ہوتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے ہم کو پتہ نہیں

چلتا۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ جانے ہم نے کیا گناہ کیا تھا کہ یہ مصیبت ہم پر نازل ہوئی۔ اللہ اکبر گویا ہم کو کسی وقت اپنے گناہ سے خالی ہونے کا بھی گمان ہوتا ہے۔ صاحبو! اپنے گناہوں سے غفلت کرنا بہت بڑا مرض ہے جس میں ہم سب مبتلا ہیں۔ (اشرف المسائل ص ۱۲۷)

علاج گناہ

نماز نفس پر بہت گراں ہے۔ تو جب ہر گناہ کے بعد دو رکعت پڑھنا اپنے ذمے لازم کر لوگے۔ تو نفس گناہوں سے گھبرا جائے گا کہ یہ کہاں کی علت سر لگی۔ بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دے گا۔ کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا۔ گناہ تو توبہ سے معاف ہوجائے گا۔ اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی۔ اس لئے وہ گناہ کرانا ہی چھوڑ دے گا۔ تاکہ تم اتنی رکعتیں نہ پڑھ سکو۔ (مطاہر الاقوال ص ۲۷)

توبہ۔ اصلاح حال

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں۔ مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ میں سخت نالائق ہوں سخت خبیث ہوں۔ سخت گنہگار ہوں۔ میں تو عاجز ہو رہا ہوں۔ آپ ہی میری مدد فرمایئے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں۔ آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ اے اللہ جو گناہ میں نے ابتک کئے ہوں۔ انہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرمایئے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ

آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا۔ لیکن پھر معاف کرالوں گا۔ غرض اس طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کرلیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو بدپرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کرلیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہوجائیگی۔ شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا۔ دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہوجاویگا کہ آج آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

(ملت ابراہیم ص ۴۸)' (اشرف المسائل ص ۱۶۲)

اخلاق تحقیق معنی اشراف النفس

حال: ایک بات یہ دریافت طلب ہے کہ ایک درزی کا میں نے آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلاف نیا چڑھوالیا جس سے وہ مثل نئی کے ہوگئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانی غلاف کی مرمت کرلی۔ وہ ——— کیلئے ہوگئی اس کے بعد وہ نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا مجھے اس کے دیکھتے ہی بہت خوشی ہوئی وہ چھتری لے لی یہ اشراف نفس ہے یا نہیں۔ میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دیدوں مگر گھر میں کہا تمہاری چھتری آخر پرانی ہے اور ——— کی چھتری بالکل پرانی ہے اس کو پڑا رہنے دو۔

تحقیق: اشراف مطلق انتظار بمعنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص اس انتظار کو جس کے یہ آثار ہوں کہ اگر نہ ملے تو قلب میں کدورت ہو اس پر غصہ آوے اور اس درجہ کا اشراف بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حرفیہ کیلئے

مذموم نہیں مثلاً طبیب کے لئے یہ نقص نہیں ہے۔

دین دار کو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے والے پر غیظ وغضب کا ہونا لازم ہے اور یہ حمیت دین ہے نہ کہ تعصب

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں شہر کو الٹ دو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ اس شہر میں فلاں شخص رہتا ہے جس نے کبھی آپکی نافرمانی نہیں کی۔ کیا اس کو بھی سب کے ساتھ الٹ دوں۔ ارشاد ہوا کہ گو ظاہراً اس نے نافرمانی نہیں کی۔ مگر دوسروں کی نافرمانی دیکھ کر اس میں کبھی تغیر پیدا نہیں ہوا لہٰذا اس کو بھی الٹ دو۔ دیکھئے یہ شخص ظاہری حالت میں ایسا بزرگ تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی دھوکا ہو گیا۔ لیکن واقع میں ایک بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے ساتھ محبت کا جوش ذرا نہیں تھا۔ ورنہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ اور رسول کی محبت ہو اور ان کی مخالفت و نافرمانی دیکھ کر یا شریعت کا استخفاف سن کر اس کے دل میں مخالفین سے غیظ نہ پیدا ہو یا اس کو ان کی حرکات ناگوار نہ ہوں۔ اگر کسی دیندار کو ایسے امور ناگوار ہوتے ہیں تو اس کو متعصب اور بدمزاج کہا جاتا ہے اور یہ رائے دی جاتی ہے کہ صاحب نرمی سے جواب دینا چاہئے تھا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ کسی شخص سے یہ کہا جاوے کہ ہم نے تمہاری ماں کو بازار میں بیٹھے ہوئے اور بازاری عورتوں کی حرکات میں مبتلا پایا ہے تو کیا یہ شخص اپنی ماں کی نسبت ٹھنڈے دل سے یہ الفاظ سن لے گا اور کہنے والے پر حملہ کرنے کو آمادہ نہ ہو جائے گا۔ کیا اس کے اس جوش کو تعصب کہا جائے گا اسی کو بھی ایسی رائے دیجائیگی مگر مولویوں پر الزام ہے کہ یہ بہت جلد خفا ہو جاتے ہیں اور ان کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے یہ بڑے متعصب ہیں۔ لیکن صاحبو ذرا غور کیجئے

اور انصاف سے کام لیجئے۔ کوئی مولوی بھی سیدھی بات پر خفا نہیں ہوتا۔ نہ کسی مولوی کی ناک پر غصہ دھرا رہتا ہے۔ اگر پوچھنے کی طرح ان سے پوچھا جاوے اور بات کرنے کی طرح ان سے بات کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مولوی غصہ کریں۔ اور خفا ہوں۔ ہاں جب ان کے ساتھ استہزاء اور اللہ رسول کے احکام پر اعتراض بطور عناد کیا جاتا ہے تو ضرور وہ بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اور یہ غصہ یا بیتابی تعصب نہیں ہے یہ دین کی حمیت ہے۔

صاحبو کیا شریعت کے احکام کی وہ عظمت اور محبت بھی دل میں نہ ہونا چاہئے۔ جو کہ اپنی ماں کی ہے کہ ماں کی نسبت ناگوار کلمات سن کر تو انسان قابو سے باہر ہو جائے اور اپنے آپے میں نہ رہے اور شریعت کی ہتک ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کو غصہ بھی نہ آجاوے اور جن کو غصہ نہیں آتا وہ ناحقیقت شناس ہیں۔ اس لئے ان کو غیرت نہیں آتی۔ کچھ دنوں اس رنگ میں اپنے قلب کو رنگو اور پھر بھی اگر یہ حالت رہے تو جانیں۔ صاحبو محض الفاظ کے سننے سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت کیونکر ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اپنے اوپر یہ حالت گذری نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست ‌ ‌ ‌ ‌ گفتم کہ چوما شوی بدانی

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تقلیداً ہی کہہ رہا ہوں۔ لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جن حضرات کی تقلید اختیار کی ہے ان کو سچا سمجھتا ہوں۔ (الرفیق حصہ دوم ص ۱۰۴)

جو لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے متبع ہیں وہ جنت میں آپ کے ساتھ رہیں گے

صاحبو۔ ان حضرات کی غیرت کی یہ حالت تھی کہ اللہ و رسول سے دور

کرنے والی چیزوں کو گو وہ چیزیں ان کی کیسی مرغوب و محبوب ہوں طاغوت سمجھتے ہیں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اڑ کر آگیا۔ اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا۔ اس پرندہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گونہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی با آسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آتو گیا لیکن چونکہ دل میں عظمت و محبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر برکت سے فیضیاب تھے اس لئے فوراً ہی تنبہ ہوا۔ اور دل میں سوچا کہ اے طلحہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادھر متوجہ ہوا۔ آخر نماز کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں اللہ سے مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ لہٰذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اس کو وقف کرتا ہوں آخر اس کو وقف کر دیا جب دل کو اطمینان ہوا۔ ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ﴿اذا مسھم طائف من الشیطان تذکرو افاذاھم مبصرون﴾ کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف سے درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گویا ہفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے

ع

بہرچہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں
بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

شاید لوگوں کو یہ تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے ان کے دل پر ایسا صدمہ کیسے گذرا تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان لوگوں کے نزدیک تمام دنیا شغل بحق کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

(الرفیق حصہ دوم ص ۱۰۵)

ایک خلال اتنا قیمتی ہے کہ دنیا تمام اس پر فدا ہے اور دنیا تو ان کو کیا مطلوب ہوتی۔عالم آخرت کی طرف بھی ان حضرات کی توجہ صرف اس لئے ہے کہ وہ ان کے مطلوب یعنی رضائے حق کا محل ہے۔ورنہ ان کی یہ شان ہے کہ

؎

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا
بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

اور مولانا یہ بھی فرماتے ہیں۔

گفت معشوقے بعاشق کای فتے
تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس گدامی شہرازآنہا خوشترست
گفت آں شہرے کہ دروے دلبراست

جنگل میں اگر محبوب کا ساتھ ہو جاوے تو ہزار آبادی سے بڑھ کر ہے۔
شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ اقوال غلبہ حالات و ولولہ محبت کے ہیں کوئی واقعی تحقیق نہیں ہے۔تو یاد رکھو اس کے بارہ میں نص موجود ہے حدیث میں ایک صحابی حضرت ثوبان کا واقعہ یاد آیا کہ وہ حضرت سرور کائنات ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم جنت میں گئے بھی تو ہم کو وہ درجہ

تو نصیب نہیں ہو سکتا جو درجہ آپ کا ہو گا اور جب ہم اس درجہ میں نہ پہنچ سکیں گے تو آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے اور جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہو گا تو ہم جنت کو لیکر کیا کریں گے۔ حضور نے یہ سن کر سکوت فرمایا۔ آخر وحی نازل ہوئی کہ ﴿من یطع اللہ و الرسول فاؤلئك مع الذین انعم اللہ علیھم﴾ الآیۃ جب حضور ﷺ نے ان کی تسلی فرمائی یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس درجہ میں عارضی[1] طور پر پہنچنے کے لئے اسی درجہ کے اعمال کی ضرورت ہو۔ صرف اتباع اور محبت نبی کافی ہے۔ جیسے دربار شاہی میں خدمتگار محض معیت و خدمت شاہ کی وجہ سے دیگر رؤسا سے پہلے پہنچتا ہے اس لئے مع الذین فرمایا آگے ذلك الفضل میں تصریح بھی فرمادی ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا اثر مت سمجھنا یہ محض فضل ہے اور واقع میں اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ ہمارا دین اور ایمان ہماری دنیا اور سب سامان' ہماری نماز' ہمارا روزہ' ہمارا ثواب' درجات جو کچھ بھی ہے سب حضور ﷺ ہی کا طفیل ہے۔ چنانچہ ان آیات کے شان نزول کے انضمام سے صاف معلوم ہوتا ہے جن میں ارشاد ہوتا ہے ﴿ذلك الفضل من اللہ و کفي باللہ علیما﴾ اس کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں یہ محض فضل الٰہی ہے کہ تم کو ایک بہانہ محبت سے باریابی کی دولت نصیب ہو گئی۔ اور یا یہ مطلب ہے کہ ذلك الفضل سے بعض مغلوب الیاس لوگوں کی ناامیدی دور کرنا ہے کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو جاوے کہ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ ہم اس درجہ تک پہنچ سکیں تو اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ اگرچہ تم اس قابل نہیں لیکن نعمت تمہارے اعمال کی جزا نہیں ہے کہ تم ان پر نظر کر کے اس نعمت سے مایوس ہو جاؤ۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل وجود ہے جس کے لئے تمہارے

---

[1] اور عارضی طور پر اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کے درجہ میں استقراراً و مقاماً کون جا سکتا ہے البتہ زیارت کے لئے رسائی ہوا کرے گی جس طرح دنیا میں مسکن ہر ایک کا جدا ہوتا ہے لیکن ملاقات کیلئے دوسرا بھی آجاتا ہے۔ ۱۲

اعمال کامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے سبحان اللہ قرآن پاک بھی کیا عجب چیز ہے کہ دو متعارض شبہے ایک عجب دوسرا یاس اور ایک جملہ میں دونوں کا جواب خواہ یوں کہہ لو خواہ یوں کہہ لو۔

ہرمذاق ہر طبیعت ہر رنگ کا علاج قرآن میں موجود ہے۔پس روایت ثوبان ﷺ سے بھی یہ بات بالکل صاف معلوم ہوگئی۔(الرفیق حصہ دوم ص ۱۰۶)

کیونکہ ان کے اس خیال پر انکار نہیں فرمایا گیا۔بلکہ تسلیم کر کے تسلی کی گئی۔غرض یہ مضمون بالکل سنت کے موافق ہے نرا نکتہ تصوف یا شاعرانہ نہیں سو یہ ہے ان حضرات کی شان کہ دونوں عالم بھی ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کی رضاء یا نبی کریم ﷺ کی لقاء کے برابر نہیں خوب کہا ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ　　　نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز

محبت اور غیرت کی تو خاصیت ہی ہے کہ جب یہ بڑھ جاتی ہے تو سب کچھ چھوٹ جاتا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم نے غیرت ہی میں سلطنت چھوڑ دی تھی۔ اور وجہ اس سب کی یہ ہوتی ہے کہ ایک حالت میں دو طرف توجہ کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ ممکن نہیں اس واسطے مجبوراً ایک طرف کی توجہ کو ترک کر دینا پڑے گا۔ اب رہی یہ بات کہ کس جانب کو ترک کیا جاوے تو ظاہر ہے کہ توجہ الی اللہ کی دولت تو قابل ترک نہیں لہٰذا دنیا ہی پر لات مار دیتے ہیں۔خوب کہا ہے۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے

بہ از آنکہ حبتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

(الرفیق حصہ دوم ص ۱۰۷)

حضرت ابراہیم بن ادھم نے اسی کی تحصیل کے لئے سلطنت پر لات ماردی۔(الرفیق فی سوانح)

مرنے والوں اور مصیبت زدوں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے

(الرفیق حصہ اول ص ۸۲)

جب کوئی مرے تو چونکہ ہمارے لئے بھی یہ دن آنیوالا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو مگر آج کل کچھ ایسی غفلت بڑھی ہے کہ مردے کو دیکھ کر بھی ہماری حالت میں ذرا تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ حالت ہے کہ قبر پر بیٹھے ہیں اور امور دنیاوی کی باتوں میں مشغول ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اسکو اسی تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ سمجھنا یہ چاہئے کہ اس پر یہ مصیبت کیوں مسلط ہوئی ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے تو ہم کو بھی گناہوں سے بچنا چاہئے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو الحمدلله الذي عافاني مما ابتلاك وفضلني علي كثير ممن خلق تفضيلا اس میں بھی تذکیر ہے احتمال ابتلاء کی اور اس میں تنبیہ اجمالی ہے اسباب ابتلاء کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر سکھلایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا نہ ہو جائیں۔ لیکن یہ دعا آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دل شکنی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ لا تظهر الشماتة لاخيك بعض تو وہ ہیں جو کہ دوسرے کے مصائب پر ہنستے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ افسوس تو کرتے ہیں مگر طعن کے طور پر اسکی بابت اسی حدیث میں ہے فيرحمه الله ويبتليك یعنی ہنسو مت شاید بجائے اس کے تم مبتلا ہو جاؤ۔

حکایت: کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے پاس بیٹھا کھا رہا تھا اس وقت ایک فقیر مانگنے آیا اس نے فقیر کو جھڑک دیا اتفاق سے کچھ ایسا انقلاب ہوا کہ یہ شخص بالکل تباہ و پریشان ہو گیا حتیٰ کہ جب بیوی کا نان و نفقہ بھی نہ چل سکا تو اس کو بھی طلاق دیدی اور اس نے کسی اور دولت مند سے نکاح کر لیا اتفاق سے اس دولتمند کے دروازہ پر کوئی شخص سوال کرنے آیا اس شخص نے اپنی

بیوی سے کہا کہ اس کو بھیک دے آؤ یہ جو دروازہ پر گئی تو وہاں سے روتی ہوئی لوٹی شوہر نے پوچھا تو اس نے یہ کہا کہ یہ میرا پہلا شوہر ہے اور اسی تذکرہ میں وہ قصہ سائل کے جھڑک دینے کا بھی بیان کیا۔ اس شوہر ثانی نے کہا کہ وہ سائل جو جھڑکا گیا تھا میں ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مال بھی دیا اور اس کی بیوی بھی دی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے پس عبرت حاصل کرو اور دوسروں کو مبتلائے مصائب دیکھ کر ڈرو۔ بزرگوں نے بہت جگہ اس کو یاد دلایا ہے مگر ہم بے فکر ہیں۔

خالق اسباب کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے مصائب میں پریشانی نہیں ہوتی

(الرفیق حصہ اول ص ۸۳)

مصیبت سے بچنے کے لئے ظاہری اسباب پر دارومدار مت رکھو کہ ہمارے پاس تو تعویذ ہے ہم کو طاعون نہیں آسکتا یہ سب حکم الٰہی کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں سبب اصلی کو اختیار کرو اور وہ ارضاء حق ہے۔ اعمال میں' احکام کے امتثال میں کوشش کرو کہ اس کے بعد مصیبت حقیقی نہ آوے گی یعنی ظاہری مصائب مثل مرض موت رنج وغیرہ کے تو ہوں گے مگر اطاعت کی برکت سے تمہارا قلب پریشان نہیں ہو گا جیسے کہ بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے تو وہ کسی چیز سے پریشان نہیں ہوتا اسی طرح اس مطیع کو چونکہ قرب حق نصیب ہو جاتا ہے لہٰذا یہ بھی پریشان نہیں ہوتا۔

اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؂

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولا دہندی نہی بر سرش
امید وہراسش نباشد ز کس ہمیں است بنیاد توحید وبس

بلکہ اس سے ترقی کرکے یہ حالت ہوتی ہے کہ دوست کے بلا کی آرزو کرنے لگتا ہے اسی کو عراقی فرماتے ہیں کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

لہٰذا چاہیئے کہ مصیبت کے مبتلا کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور اطاعت حق میں مشغول ہوں کہ اس سے بچنے کی اصل ترکیب یہی ہے۔

تعلیمات ابتدائیہ برائے سالک بہ تعمیل ارشاد حضرت حاجی محمد امداد اللہ صاحب مہاجر مدنی ؒ

ذکر

خلوت میں باوضو رو بقبلہ بیٹھ کر کم از کم تین ہزار بار اسم ذات اللہ کو تکرار کریں اور زیادہ جس قدر فرصت ہو۔

شغل

بشرائط مذکورہ وضو و استقبال قبلہ اپنے قلب پر آب نقرہ سے لفظ اللہ لکھا ہوا تصور کیا جاوے اور اس میں مستغرق ہو جاویں۔

مراقبہ

بشرائط مذکورہ اول زبان سے تین چار بار آیت ﴿اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی﴾ کا تکرار کر کے اس کے مضمون میں مستغرق ہو جاویں اور اللہ جل جلالہ کو اپنے ظاہر و باطن پر مطلع و خبیر و بصیر یقین کریں۔

علاج خطرات

ان کے دفع کا قصد نہ کریں بلکہ اپنے کام میں زیادہ متوجہ ہونے سے سب دفع ہو جاویں گے۔ اھ

خلاصہ راہ سلوک

امور مبحوث عنہا فی التصوف

- مقصود
  - عمل وہو الطریقہ
    - جلب اخلاق حمیدہ مثل شکر و صبر و اخلاص و تواضع وغیرہا ۱
    - سلب اخلاق رذیلہ مثل ریا و کبر و حسد و حب دنیا وغیرہا ۲
  - ثمرہ وہو المعیۃ
    - من العبد حضور و عبدیت ۳
    - من الحق رضا و قرب خاص ۴
- غیر مقصود
  - ذرائع
    - معدہ
      - مجاہدہ
        - قلت طعام ۵
        - قلت کلام ۶
        - قلت منام ۷
        - قلت اختلاط مع الانام ۸
    - فاعلہ
      - مفیدہ بلا خطر
        - ذکر ۹
        - شغل ۱۰
        - مراقبہ ۱۱
      - مفیدہ مع الخطر
        - تصور شیخ ۱۲
        - عشق مجازی ۱۳
        - سماع ۱۴
  - توابع
    - غیر محتملۃ الضرر
      - وحدۃ الوجود مع الصحو ۱۵
      - فنا و بقا ۱۶
      - اجابت دعا ۱۷
      - فراست صادقہ ۱۸
      - رویا صالحہ ۱۹
      - وجد ۲۰
    - محتملۃ الضرر
      - تصرف ۲۱
      - کشف کونی ۲۲
      - کشف الٰہی ۲۳
      - وحدۃ الوجود مع السکر ۲۴
  - موانع
    - حسن پرستی ۲۵
    - تعجیل ۲۶
    - تصنع ۲۷
    - مخالفت سنت ۲۸

انتہت شجرۃ المراد

ایک طالب نے بذریعہ عریضہ دریافت کیا کہ اگر ذکر کے درمیان میں کوئی کام پیش آجائے تو آیا پہلے اس سے فارغ ہو کر یکسو ہو جائے یا ذکر میں مشغول رہے۔ جواب ارقام فرمایا کہ اگر گاہ گاہ ایسا ہوتا ہو تو اس کام سے اول فراغت کرلینا چاہئے اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو ذکر ہی میں لگا رہنا چاہئے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے اپنی پریشانی لکھی کہ جب کوئی شخص محض ملنے کے لئے آجائے تو طبیعت میں سخت الجھن پیدا ہوتی ہے پس اگر کوئی امیر ہوا تو بتکلف طبیعت پر جبر کر کے اس کے ساتھ بیٹھا رہتا ہوں لیکن اگر امیر نہ ہوا تو ضبط نہیں ہوتا اور جب یہ خیال ہوتا ہے کہ امراء و غرباء سب کے ساتھ برتاؤ ایک سا ہونا چاہئے۔ یہ اچھا نہیں کہ غرباء کو تو ہٹا دیا جائے اور امراء کو بیٹھنے دیا جائے تو نفس یہ جواب دیتا ہے کہ امیروں کا آنا تو شاذ و نادر ہوتا ہے برخلاف غرباء کے کہ جب وہ اپنی طرف زیادہ توجہ دیکھیں گے تو پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گا۔ اھ

اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ فرق تو صحیح نہیں اس لئے کہ اگر کوئی غریب بھی اتفاقیہ شاذ و نادر آتا ہو تو اس فرق کا مقتضا یہ ہے کہ اس کو بھی بیٹھنے دیا جاوے حالانکہ معمول ایسا نہیں ہے سو یہ فرق صحیح نہیں بلکہ فرق صحیح یہ ہے کہ دلجوئی تو امر مشترک ہے مگر کیفیت دلجوئی کی ہر شخص کی جدا ہے اس کی حالت وطبیعت وعادت کے تفاوت سے یعنی امراء کی مجموعی حالت طبیعت وعادت کی ایسی ہے کہ جب تک زیادہ توجہ ان کی طرف نہ کی جاوے وہ خوش نہیں ہوتے اور غرباء تھوڑی توجہ سے راضی ہوجاتے ہیں اس لئے دونوں کی دلجوئی کے طریق میں ایسا تفاوت مذموم نہیں البتہ غرباء کو یا تو اٹھایا نہ جاوے خود اٹھ جاویں کسی بہانہ سے اور اگر اٹھانا ہی پڑے بہت نرمی سے مثلاً یہ وقت میرے آرام یا کام کا ہے آپ بھی آرام کیجئے۔ ومثل ذلک۔ اھ

ایک اور طالب کو تحریر فرمایا کہ ترک عمل وکسل وتعطل کو عبدیت نہ سمجھ لیا جاوے عبدیت کے لئے حرکت فی العمل لازم ہے۔ وھذا مزلۃ اقدام کثیر من اھل الطریق حتي وقعوا في ورطۃ الجبر و الالحاد زعما منھم بانھم اطوع العباد۔

فرمایا کہ اگر اعتماد ہو بتلانے والے پر اور فہم ہو تو اللہ کا راستہ اس قدر صاف اور آسان ہے کہ دس منٹ کے اندر سمجھ میں آسکتا ہے۔ دیر اور مشقت

جو کچھ ہے وہ عمل میں ہے اور وہ بھی رسوخ میں۔اور جو مشقت عین عمل کے وقت ہوتی ہے مثلاً نیند کا غلبہ ہے اور نماز پڑھنی ہے تو اس وقت تو مشقت ہوتی ہے لیکن اگر اس کو برداشت کر لیا تو نماز پڑھ کر فوراً ایسی راحت میسر ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔ساری مشقت کا بدل ہو جاتا ہے۔اھ

فرمایا اصلی چیز راحت اور لذت ہے۔اور وہ ملتی ہے خدا کے نام میں۔حالانکہ ہماری نماز ہی کیا ہے محض ضابطہ پورا کرنا ہے نہ ترتیل' نہ تعدیل ارکان' نہ خشوع و خضوع۔اس پر میں کہا کرتا ہوں۔ہ

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف اگر باشد ندانم چوں کند

جب شراب میں میل ملا ہوا ہے خطرات و خواہشات نفسانیہ کا اس پر تو یہ حالت ہے کہ مجنوں کئے دے رہی ہے اور جن کو خدا نے صاف دی ہے ان کا کیا کہنا ہے۔جب ہمیں یہ لطف حاصل ہو رہا ہے تو ان کا کیا حال ہو گا۔اللہ تعالیٰ اپنے نام لینے کی توفیق دیدے تو پھر کیا چیز ہے خزانہ مگر چونکہ دنیا ضرورت کی چیز ہے اس لئے مانگنا بھی چاہئے اور تدبیر بھی کرنا چاہئے۔مگر یہ مقصود بالغیر ہے مقصود بالذات نہیں اور دین مقصود بالذات ہے۔اول تو دین کا علم حاصل کر کے بقدر ضرورت دنیا بھی ملتی ہے اور وہ بھی عزت اور راحت کے ساتھ لیکن اگر بالفرض نہ بھی ملے تو چونکہ دین خود مقصود بالذات ہے اس لئے حسرت نہیں ہوتی بخلاف انگریزی کے کہ اس سے مقصود ہی دنیا ہوتی ہے اور وہ آج کل اکثر نہیں ملتی تو وہاں سوائے حسرت کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور ہمارا تو امتحان نہیں ہوا۔اہل اللہ کے تو بڑے بڑے امتحان ہوئے ہیں فقر و فاقہ میں جیسے وہ خوش رہتے تھے کوئی دنیا دار رہ نہیں سکتا۔

فرمایا کہ عقلوں میں تفاوت فطری ہوتا ہے۔میں عقل کی کمی پر مواخذہ نہیں کرتا۔لیکن شکایت جو کچھ ہے وہ بے فکری کی ہے۔لوگ فکر ہی سے کام

نہیں لیتے۔ بے فکری پر مواخذہ ہے۔اگر فکر سے کام لیں تو اول تو بہت کم غلطیاں ہوں اوراگر ہوں تو وہ ناگوار نہ ہوں کیونکہ جب میں کسی کے اندر فکراور اہتمام محسوس کرلیتا ہوں توپھر جو غلطی بوجہ کمی عقل کے ہوتی ہے اس میں اس کو میں معذور سمجھ لیتا ہوں لہٰذا ناگواری پیدا نہیں ہوتی گو تکلیف پہنچے۔ زیادہ اذیت تو بے فکری اورعدم اہتمام سے ہوتی ہے۔

ایک صاحب بیعت کی غرض سے سفر کرکے تشریف لائے۔ فرمایااس کے لئے سفر کی ضرورت نہ تھی۔یہ معاملہ تو خط کے ذریعہ سے طے ہوسکتا تھااوراب بھی خط ہی کے ذریعے سے طے ہوگا۔ لہٰذا آنا بیکار ہوا۔اگر مجھ سے پوچھ لیتے تو میں اس غرض کے لئے سفر کی ہرگزاجازت نہ دیتا۔اب یہ غرض تو آپ کی پوری نہ ہوگی پھر یہاں رہنے کے متعلق کیا رائے ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ میں ابھی کچھ دن ٹھیروں گا فرمایا کس غرض سے؟ عرض کیا بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے فرمایا کہ میں تو بزرگ نہیں ہوں۔ عرض کیا کہ میرے خیال میں تو آپ بزرگ ہیں فرمایا کہ مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔کہا سچا۔فرمایا تو بس میں کہتا ہوں کہ میں بزرگ نہیں ہوں۔پھرانہوں نے کہا کہ عالم کی صحبت میں بیٹھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔اس پر بھی فرمایا کہ میں عالم بھی نہیں ہوں کیونکہ دو چار کتابیں درسیات کی پڑھ لینے سے کوئی عالم تھوڑا ہی ہوجاتا ہے۔ عالم توایسے ہوتے ہیں جیسے مولاناانور شاہ صاحب تھے یہ سن کر وہ صاحب چپ ہوگئے تو فرمایا کہ ٹھہرنے کی کوئی معقول غرض بتاؤ پھر بھی وہ صاحب خاموش رہے فرمایا کہ اگر خود کوئی معقول غرض نہیں بتاسکتے تو کسی سے پوچھ کر آؤ۔ وہ پھر بھی بیٹھے رہے تو فرمایا کہ جاؤ اٹھو کہنے کے خلاف نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

پھر حاضرین مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں حقیقتیں ظاہر ہوں لوگ رسم پرستی میں مبتلا ہیں۔ یہ کوئی بات مجھ سے کہنے کی تھی کہ آپ کو میں بزرگ سمجھتا ہوں اس لئے ٹھہروں گا۔اگر اس غرض سے ٹھہرنے کی میں

اجازت دیدوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ میں اپنے آپ کو واقعی بزرگ سمجھتا ہوں حالانکہ اول تو میں بزرگ نہیں اور اگر تھا بھی تو لوازم میں سے بزرگ ہونے کے یہ سمجھنا ہے کہ میں بزرگ نہیں ہوں۔ لیکن یہاں ایک کام کی بات بتاتا ہوں کہ اپنے کو بزرگ نہ سمجھنا تو بزرگ ہونے کے لئے ضروری ہے لیکن جو اپنے آپ کو بزرگ نہ سمجھے اس کا بزرگ ہونا ضروری نہیں یعنی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنا تو مستلزم نہیں ہے بزرگی کو لیکن بزرگی مستلزم ہے اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے کو۔ بہت سے غیر بزرگ ایسے ہیں کہ اپنے کو بزرگ نہیں سمجھتے تو اس سے وہ بزرگ تھوڑا ہی ہوجاتے ہیں۔ اگر تم مجھے بزرگ سمجھتے ہو سمجھو مجھ سے کیوں کہتے ہو۔ چاہے بزرگ سمجھو چاہے فاسق سمجھو مگر اطلاع کیوں کرو۔ اگر فاسق سمجھتے ہو سمجھو مگر اطلاع نہ کرو کیونکہ اس سے بھی اذیت ہوگی اسی طرح بزرگ سمجھتے ہو سمجھو مگر اس کی بھی اطلاع نہ کرو کیونکہ اس سے دوسری قسم کی اذیت ہوگی۔ سیدھی بات یہ کہنی چاہئے تھی کہ اس لئے ٹھہرنا چاہتا ہوں کہ کوئی کام کی بات کان میں پڑ جائے سو اس کے لئے نہ عالم ہونے کی ضرورت' نہ بزرگ ہونے کی۔ بعض فساق و فجار اور جاہلوں سے بھی کام کی باتیں سننے میں آجاتی ہیں چنانچہ ایک عامی جاہل شخص سے ایک ایسی بات میں نے سنی تھی جو اب تک قلب میں نقش کئے ہوئے ہے۔

تحریکات کا زمانہ تھا۔ ریل کے سفر میں لوگوں میں کچھ اسی قسم کی گفتگو آپس میں ہو رہی تھی تو ایک شخص نے جو نہ عالم تھا نہ بزرگ' خلاصہ کے طور پر کیا اچھی بات کہی کہ بھائی ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ایک رہو اور نیک رہو یعنی متحد رہو اور حدود شرعیہ کے اندر رہو۔ سبحان اللہ کیسی اچھی بات کہی اور کیسے اچھے الفاظ میں کہی۔ بعد کو ان صاحب نے غالباً کسی سے سن کر یا از خود آکر یہی عرض کیا کہ میں اس لئے ٹھہروں گا کہ کوئی کام کی بات کان میں پڑ جائے اس پر حضرت نے فرمایا کہ بس اب ٹھیک بات کہی شوق سے رہو۔

ایک خط کا مضمون پڑھ کر سنایا اور جو اس کا جواب حضرت نے تحریر فرمایا تھا وہ بھی سنایا۔ اور فرمایا کہ یہ جواب ان کی مرضی کے موافق تو نہ ہوگا لیکن ان کے مرض کے موافق ہوگا۔ یہاں سے جو کسی کے خط کا جواب جاتا ہے وہ مرضی کے موافق نہیں ہوتا مرض کے موافق ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم ؒ کا واقعہ ہے۔ وہ سلطنت چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے۔ اپنے ایک بچے کو وہیں چھوڑ گئے تھے ان کی قبر بھی مکہ معظمہ میں ہے (شیخ محمود کے نام سے مشہور ہیں) وہ بڑے ہو کر حج کو چلے۔ خیال تھا کہ اپنے باپ کو بھی تلاش کریں گے وہ طواف کرنے گئے تو حضرت ابراہیم ابن ادہم بھی طواف کر رہے تھے مگر ایک نے دوسرے کو پہچانا نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم ان کے بچپن ہی میں ہجرت کر کے اور ان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ وہ حسین جمیل بھی تھے شہزادے بھی تھے۔ شاہانہ لباس میں اور بھی اچھے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیم کو قدرتی طور پر ان کی طرف کشش ہوئی بار بار ان کی طرف نظر کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر معتقدین سمجھے کہ آج شیخ کو لغزش ہوئی۔ اس نوجوان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں۔ غرض بدگمانی ہوئی۔ یہ کسے خبر تھی کہ بیٹے ہیں۔ اب چاہے شیخ کو مکشوف ہو گیا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے یا مکشوف نہ بھی ہوا ہو تو چونکہ محل تھا حلال۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی ہو نیت کی۔ غرض بعد طواف جب ملے تو معلوم ہوا کہ بیٹے ہیں۔ سب سے اول دریافت فرمایا کہ تمہارا دین کیا ہے۔ انہوں نے کہا اسلام فرمایا۔ الحمدللہ۔ پھر پوچھا قرآن پڑھا ہے؟ حدیث پڑھی ہے؟ فقہ پڑھا ہے؟ سب کا جواب اثبات میں ملا تو بہت خوش ہوئے۔ معلوم ہوا کہ متقی شخص ہے۔ پھر تو سینہ سے لگایا دعائیں دیں ورنہ اگر کوئی بات خلاف شرع یا خلاف طبع مثلاً وضع قطع وغیرہ دیکھتے تو رخ بھی نہ کرتے۔ تو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ فعل مباح سے بھی اوروں کو شبہ ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم پر ان کے معتقدین کو شبہ ہو گیا کہ ایک حسین نوجوان کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ

ان کو ایسا شبہ نہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ اباحت کا محل بہت قریب تھا۔

یہ تو مرید کے لئے حکم ہے۔ اور پیر پر بھی واجب ہے کہ بلا ضرورت کوئی ایسا فعل نہ کرے جس سے مرید کو شبہ ہو خلاف شرع ہونے کا۔ دلیل یہ ہے کہ ایسی احتیاط حدیث سے ثابت ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہمیں کیا چاہے کوئی معتقد رہے چاہے بداعتقاد ہو جائے۔ اس کی فکر ہی کیوں ہو کہ سب ہمارے معتقد رہیں۔ واقعی اس کا اہتمام تو نہیں چاہئے کہ سب ہمارے معتقد رہیں لیکن اس کا اہتمام ضروری ہے کہ بلاضرورت ایسا کام نہ کرے جس سے خلاف شرع ہونے کا شبہ ہو اور دوسرے لوگ سوء ظن وغیبت وبہتان کے گناہ میں مبتلا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور اعتکاف میں تھے تو زیارت کے لئے حاضر ہوئی تھیں۔ وہ حضور کے پاس بیٹھی تھیں کہ اتنے میں دو صحابی سامنے سے گذرے۔ حضور نے ان کو روکا اور فرمایا علي رسلكما یعنی ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر حضرت صفیہ کو گھر میں بھیج دیا اور ان دونوں کو بلایا کہ آجاؤ۔ جب آگئے تو فرمایا کہ یہ صفیہ تھیں۔ یہ میری بی بی تھیں۔ صحابہ کو بہت گرانی ہوئی عرض کیا توبہ توبہ یارسول اللہ۔ ہم بھلا حضور پر کوئی شبہ کر سکتے ہیں۔ فرمایا یہ شیطان انسان کے اندر اس طرح دوڑا دوڑا پھرتا ہے جیسے خون دورہ کرتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں وسوسہ نہ ڈال دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کام نہ کرے جس میں دیکھنے والے کو کوئی قوی شبہ پڑنے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ ایسی ویسی معمولی باتوں میں بھی کسی کو شبہ ہو تو اسکی ایسی تیسی۔ لیکن یہ وہ کام نہیں جو مرید کے کرنے کا ہو' یہ پیر کے کرنے کا کام ہے۔ البتہ جو مقتدا نہ ہو اور غلبہ حال سے مفاسد کی طرف اس کو التفات نہ ہو تو کچھ پروا نہیں۔

جیسے احمد جام فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شدنہ شدنہ شد

فرمایا کہ آج کل کسی کو خاص بنانا باعتبار نتائج کے بہت ہی برا ہے اس میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اوراہل تعلق کو رنج ہوتا ہے کہ ہم سے خصوصیت نہیں۔ دوسری خرابی خوداس کے حق میں یہ ہے کہ اور لوگ اس کے اضرار کے درپے ہوجاتے ہیں۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگ اس کو واسطہ حاجات کا بناتے ہیں جس سے اس کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ غرض بہت خرابیاں ہیں۔ اس لئے کسی کو مخصوص نہ بنانا چاہیئے نہ کسی کو مخصوص بننا چاہیئے بس خادم رہنا چاہیئے۔

فرمایا اکثر اطباء علاج میں صرف مرض کا خیال کرتے ہیں مریض کا نہیں۔ شخصی حالات یا زمان ومکان کے اختلافات پر بہت کم نظر جاتی ہے۔ حضرت کے ہاں روحانی معالجہ میں دونوں باتوں کا پورا لحاظ رہتا ہے۔ مثلاً کم خوری کم خوابی یا دیگر ریاضیت شاقہ وغیرہ کو غالباً اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بالعموم ترک ہی فرمادیا ہے۔ اذکار واشغال وغیرہ تمام چیزوں میں طبیعت کی مناسبت اور برداشت کا خاص خیال فرماتے ہیں زیادہ زور احکام پر ہے تشخیص مرض اور نفس شناسی میں حضرت کی حذاقت حیرت انگیز ہے کسی ماہر نفسیات (علم النفس) کی نگاہ وہاں کیا گی جہاں حضرت کی پہنچتی ہے۔

ایک صاحب نے بعض امور کی نسبت عرض کیا کہ "سینکڑوں مرتبہ ان کے کرنے کا ارادہ کیا اور ہربار یہ ارادہ ٹوٹتا رہا حتیٰ کہ اب ارادہ کرنے کا بھی جی نہیں چاہتا" جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "بے جی چاہے ہی کرنا چاہیئے وہ خالی نہیں جاتا اللہ نے کس وقت اس کے اثر کا ظہور ہوجائے" یقین فرمائیے کہ الحمدللہ اس سے ہمت میں تازہ جان پڑگئی۔

عادات واخلاق میں سب سے نمایاں وصف بے تکلفی اور ضبط وانتظام ہے
محض تکلف یا عام رسم ورواج کی خاطر کوئی ایسی بات نہ پسند فرماتے ہیں۔ اور نہ
اختیار فرماتے ہیں جو اپنے یا دوسرے کیلئے بار خاطر یا حقیقی نفع کے منافی ہو۔ تکلف
میں سراسر تکلیف کے باوجود لوگ اسی کو "خوش اخلاقی" سمجھتے ہیں حضرت کو اس
"خوش اخلاقی" سے نہ صرف بالطبع بعد معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر صورتوں میں تعلیم
و تربیت کے مصالح بھی اس کے مقتضی نہیں ہوتے لیکن لوگ چونکہ عام طور سے
تکلف و تصنع ہی کے عادی وطالب ہوگئے ہیں اس لئے حضرت کی معاشرت میں
بعض باتیں نامانوس نظر آتی اور غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہیں۔

یہی صورت پابندی اوقات کی بھی ہے کہ عام طور سے ہر کام کا وقت
بندھا ہوا ہے اس میں اپنے اور دوسروں سب کیلئے جو کثیر منافع ہیں ان سے کون
انکار کرسکتا ہے۔ تصنیفات وتالیفات کی سینکڑوں تک تعداد۔ خانقاہ کے مقیموں
اور باہر سے حاضر ہونے والوں کو بلاناغہ دو وقت کی مجلس میں چار پانچ گھنٹے مستقلاً
استفادہ کا موقع روز کے روز تمام خطوں کا جواب جن کا اوسط پندرہ بیس رہتا
ہوگا یہ سب اسی پابندی اوقات اور انتظام کی برکات ہیں۔

انگریزی دانوں کے لئے:

بظاہر اس کا گمان بھی نہ ہونا چاہئے کہ حضرت کے تصیفی سرمایہ"
انگریزی دانوں یا نئے خیال والوں کیلئے بھی کچھ ہو گا لیکن یہی نہیں کہ
تحریروں میں مثلاً "الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ ص
طور سے ان کا خیال فرمایا گیا ہے بلکہ اس جماعت کے جن افراد میں طلب
ہے ان سے درخواست ہے کہ کچھ دن حضرت کی کتابوں (خ بتداء میں
مواعظ) کو خود حضرت ہی کے مشورہ سے پڑھیں۔ پھر دیکھ راہ یاب ہی
نہیں انشاء اللہ سچے رہبر بھی بن سکیں گے۔ اور صرف شکوک وشبہات کا ازالہ ہی

نہیں بلکہ دین کا ذوق اور ایمان کی لذت حاصل ہوگی۔ اور اگر کہیں اس کے ساتھ حضرت کی خدمت میں کچھ زیادہ حاضری کی سعادت نصیب ہوسکے تو نور علی نور.

ایک بار حضرت والا کسی سلسلہ کلام میں یہ فرمارہے تھے کہ باطنی مقام سے محرومی اچھی بہ نسبت اس کے کہ خلاف شریعت ہونے کا اندیشہ ہو۔ سالک کو چاہئے کہ جو حالت قرآن وحدیث پر منطبق نہ ہواس سے در گذر کرے مثلاً ہم نے اعلیٰ درجہ کا دودھ برف ڈال کر رکھا لیکن شبہ ہوگیا کہ اس میں سے کچھ دودھ سانپ آکر پی گیا ہے تو اسلم یہ ہے کہ اس دودھ ہی کو چھوڑ دے۔

ایک طالب نے بذریعہ عریضہ فارسی بغرض حفاظت بندوق رکھنے کی اجازت طلب کی حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ "در اجازت گرفتن از من چہ مصلحت ست"۔ انہوں نے لکھا کہ قبل ازیں مریض کبر وزیر علاج حضرت بودم بندوق آلہ کبر ہم معلوم میشود اھ اس پر یہ جواب تحریر فرمایا مگر آلہ مستلزم فعل نیست چنانچہ آلہ زنا نزد ہر کس ہست وقطعش واجب نیست۔ اھ۔

ایک شخص نے لکھا کہ حضور کے زجر نے بڑا فائدہ دیا۔ یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ شہوت کا ہونا مرض نہیں بلکہ نہ ہونا مضر ہے اور ساتھ ہی حرص شہوت بھی کم ہوگئی۔ فرمایا کہ لوگ اخلاق کو لئے پھرتے ہیں دیکھئے جس کو وہ میری بد اخلاقی سمجھتے ہیں اس میں یہ منافع ہیں۔ حقیقت بھی واضح ہوگئی اور جتنا حصہ اس شہوت کا مرض تھا وہ بھی زائل ہوگیا۔ اگر عرفی اخلاق برتتے جاتے تو اس کی ایسی مثال ہوتی کہ ہاتھ میں مادہ فاسد پیدا ہوگیا لیکن صرف مرہم ہی لگاتے رہے مادہ اندر ہی اندر بڑھتا رہا حتیٰ کہ آخر میں ہاتھ کاٹنا پڑا۔ شروع میں ہی آپریشن کر دیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی کسی خاص موقع پر نرمی کے برتاؤ سے دین کا نقصان ہوا تو یہ ہاتھ پاؤں کٹنے سے بھی زیادہ ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں جیسا بھی ہوں سب کو معلوم ہوجائے۔ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ پھر جس کا جی چاہے رہے جس کا جی چاہے

جائے۔مجھ سے تواب اپنا طرز بدلا جاتا نہیں۔خاص کر جب میں نفع بھی دیکھ رہا ہوں اس طرز کا۔اگر میں عرفی اخلاق برتوں تو اس میں مجھی کو راحت ہے مگر یہ خیانت ہے۔طبیب ہو کر کوئی راحت ڈھونڈھے کہ کون نبض میں غور کرے کون کتابیں دیکھے تو وہ طبیب نہیں 'خائن ہے' چور ہے' ڈاکو ہے۔میں تو لوگوں کی آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں اس وقت چاہے ناگوار ہو لیکن خط و کتابت کر کے دیکھیں تھوڑے دن ہی میں کہیں گے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی   مرا با جان جاں ہمراز کردی

ایک صاحب نووارد تھے۔ان سے حسب معمول ضروری باتیں مثلاً نام شغل وغیرہ پوچھ کر سفر کی غرض دریافت کی۔کہا فیض زیارت۔تھوڑی دیر بعد کہنے لگے کہ ایک بات بھی کہنی ہے فرمایا کہ اب میں نہیں سنتا پہلے بے فکر کر دیا اب پھر کچھ شروع کر دیا اچھا یہ بتلاؤ کہ جب میں نے پوچھا تھا اسی وقت کیوں نہیں کہہ دیا۔کہا بھول گیا تھا فرمایا بھول گئے تھے تو بس بھول ہی میں رہو۔جب ایک بات کہنے کی نیت کر کے گھر سے چلے تھے پھر بھولنا کیسا۔مگر بس وہی رسم پرستی کہ ایک دم سے سب باتیں کیسے کہہ دیں۔بس لوگ مجھے اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔میں بھلا کیسے ان کا تابع بن جاؤں۔جو طبیب مریض کا تابع بن جائے وہ طبیب نہیں بلا کو ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

موت سے پہلے، موت کے وقت اور موت کے بعد کے ضروری مسائل

احکامِ میت

مسلمان کے آخری لمحات زندگی سے لے کر عالم برزخ تک تمام مراحل سے متعلق احادیث نبویہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فقہی مسائل کا نہایت مفصل اور محقق مجموعہ

تالیف

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مراجعت و حواشی مفیدہ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

۴۳۷۔ ڈی گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵